بیاد پروفیسر سید منظر حسن دسنوی مرحوم
اور سید شکیل دسنوی مرحوم
شعر و ادب کی صالح قدروں اور عصری رجحانات کا ترجمان

اشاعت کا سترھواں سال ۴۷ رواں شمارہ

سہ ماہی **ادبی محاذ** کٹک

ہمارے سرپرست
علامہ حضرت سید اولادِ رسول قدسی مصباحی (امریکہ)
جناب خادمِ رسول عینی (بھساول)

مدیرِ اعلیٰ: سعید رحمانی
موبائل۔ 07978439220 (صرف SMS کے لیے)

مدیر	معاون مدیران	
سید نفیس دسنوی	سیّد نور الہی ناطق	عبدالمتین جامی
Mob:9437067585	Mob:9237427933	Mob-9938905926

منیجنگ ایڈیٹر
سمیع الحق شاکر موبائل 9861148800

کمپیوٹر کمپوزنگ:۔ یونس عاصم موبائل۔ 9090156995

مجلسِ مشاورت
ڈاکٹر اسلم حنیف، ظفر اقبال ظفر، شارق عدیل، غلام ربانی فدا، اشفاق نجمی، حیرت فرخ آبادی، شیخ منور حبیبی، شیخ قریش، ڈاکٹر معصوم شرقی، ڈاکٹر قمر الزماں، یوسف جمال، مولانا مطیع اللہ نازش، ارشد جمیل، غلام ربانی فدا، محمد عبدالوحید (پروف ریڈر اور صلاح کار)
قانونی مشیر: محمد فیض الدین خاں (ایڈوکیٹ، ہائی کورٹ)

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ
سعید رحمانی۔ دیوان بازار۔ پوسٹ۔ بخشی بازار، کٹک۔ 753001 (اڈیشا)
09437067585 (ضروری جانکاری کے لیے)
E-mail: adbimahaz@gmail.com
E-mail: Sayeedrahmani@gmail..com
Website: http//www.sayeedrahmani.blogspot.com

قیمت فی شمارہ: ۲۵/روپے زرِ سالانہ: ۱۰۰/روپے
رجسٹری ڈاک سے زرِ سالانہ۔ ۲۰۰/روپے
خصوصی زرِ سالانہ: ۲۰۰/روپے بیرونِ ممالک: ۲۵/امریکی ڈالر
(چیک یا ڈرافٹ پر نام کی جگہ صرف MohammedSayeed لکھیں۔ پتہ نہ لکھیں۔ چیک کے ذریعہ زرِ سالانہ ۱۲۵/روپے ارسال کریں۔ بیرونِ ملک کے لئے ۳۰/امریکی ڈالر)
Name Of Account Holder:Mohammed Sayeed
IndianOverseasBank-A/CNo.172201000001688
IFSC Code-IOBA0001722-Branch-P.K.ParijaRoad,Cuttack

پبلیشر و پرنٹر شیخ قریش نے چنّا پریس قاضی بازار سے چھپوا کر دفتر ادبی محاذ دیوان بازار کٹک۔ 753001 سے شایع کیا۔

یادوں کے جھروکے سے
سید شکیل دسنوی مرحوم

حسین چاندنی راتوں میں جاگتے ہوں گے
انھیں بھی اجنبی جذبے ستا رہے ہوں گے
وہ ذکرِ شاعرِ آشفتہ حال پر یارو!
ادائے خاص سے آنچل سنبھالتے ہوں گے
کبھی جو ذکر مرا کوئی چھیڑتا ہوگا
بہ چشمِ نم وہ سوالات ٹالتے ہوں گے
سنہری یادیں انھیں بھی ستا رہی ہوں گی
نہ جانے خود کو وہ کیسے سنبھالتے ہوں گے
ہر آئینے میں مرا عکس روبرو ہوگا
شکیلؔ جب بھی وہ خود کو سنبھالتے ہوں گے

پیش کش
سید کاشف حسن، کٹک

ہمارے خصوصی معاونین

اپنی پنشن کی رقم سے ''اخبارِ اڑیسہ'' کا لگایا ہوا پودا اب اللہ کے فضل و کرم سے برگ و بار لا کر سہہ ماہی ''ادبی محاذ'' کی صورت میں ارتقائی سفر طے کرنے لگا ہے۔ میری تنہا ذاتی کوششوں سے شروع کیا ہوا یہ سفراب 'لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا' کے مصداق ایک ادارے کی شکل اختیار کر گیا ہے جس میں مقامی احباب کے دامے درمے سخنے تعاون کے ساتھ ہی کل ہند اور عالمی سطح پر بھی محبان اردو نے اپنی طرف سے ایک ہزار سے پانچ ہزار تک کے عطیات دیے ہیں اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ ان میں سے بعض نے وقفے وقفے سے رقم بھیجتے رہنے کا وعدہ بھی کیا ہے۔ تمام محبان اردو سے گزارش ہے کہ ''ادبی محاذ'' کی خریداری قبول فرمائیں اور اس کی بقا کا ضامن بنیں۔

خصوصی معاونین کے اسمائے گرامی

نام	مقام
الحاج محمد ایوب خاں	بھوبنیشور
الحاج سیّد عطاالحی الدین	بھدرک
الحاج سیّد ڈاکٹر مشتاق علی	کٹک
الحاج مولوی سیّد نذیر الدین صدیقی (ایڈوکیٹ)	کٹک
جناب محمد شاہنواز	بھوبنیشور
جناب عبدالمجید فیضی	سمبل پور
جناب ایم اے احد	بھوبنیشور
جناب محمد اسلم غازی	ممبئی
ڈاکٹر محمد قمرالدین خاں	کٹک
جناب ایس این شیخ	ممبئی
مولوی محمد مطیع اللہ ناز ش	کٹک
جناب شیخ منور احمد جیبی	دھام نگر (اڑیسہ)
جناب محبّ الرحمٰن وفا	یوڈا، مہاراشٹر
جناب وکیل نجیب	ناگپور
جناب سیّد محمود رضی الدین	راجستھان
جناب اقبال سلیم۔	بنگلور
جناب ایم حمید الدین ناز	بیدر
پالوجی ڈاکٹر جاوید حسین	ممبئی

نام	مقام
مس انجم ممتاز سلطانہ	بیدر
جناب رفیق شاہین	علی گڑھ
جناب سمیع الحق شاکر	کٹک
ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن بزمی	رانچی
ڈاکٹر جمال الدین احمد	بھوبنیشور
ڈاکٹر کرشن بھاوک	پٹیالہ
سید فرید منظر حسن	کٹک
ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی	نیپال
ڈاکٹر قمرالزماں	دھنباد
مولانا پھول محمد نعمت رضوی	مظفرپور (بہار)
جناب ارشد قمر	ڈالٹن گنج
ڈاکٹر ملکہ خورشید	لکھنؤ
حاجی اختر حسین	بیل پہاڑ۔ جھاڑسوگڈا
جناب جمال قدوسی	سدھارتھ نگر (یوپی)
جناب شمس الحق شمس (ایڈوکیٹ)	دیوپور (کٹک)
ابوالکمال ظفر احمد (ایڈوکیٹ)	بالیسر
جناب ارشد جمیل	کٹک
جناب شیخ بشیر احمد	کشمیر

نام	مقام
جناب نظام مجھولیاوی	مظفر پور (بہار)
جناب رمیش پرساد کنول	پٹنہ
جناب اسحاق عابد	چنئی
ڈاکٹر مختار شمیم	بھوپال
ابرار نغمی	رائسین (ایم پی)
بانو مہر سلطانہ بنت حمید الدین	بیدر (کرناٹک)
جناب جاوید ندیم	ممبئی
جناب فیروز احمد سیفی	نیویارک (امریکہ)
پروفیسر سید محمد استخار الدین	بجنور (یوپی)
الحاج سید عطاالحی الدین	بھوبنیشور
جناب سید اولادِ رسول قدسی	امریکہ
جناب سید خادم رسول عینی	بھساول
سبطین پروانہ	کٹیہار (بہار)
محسن عظیم انصاری	لکھنؤ (یوپی)

قلمکاروں سے گزارش

اپنی تخلیقات ان پیج میں ٹائپ کر کے ای میل سے ارسال کریں تو ترجیحی بنیاد پر شائع ہوں گی۔ اگر اس کی سہولت نہیں تو پھر ڈاک سے بھیجیں (ادارہ)

ادبی محاذ کے گوشے

ادبی محاذ میں شاعروں اور ادیبوں کے متعدد گوشے اب تک شائع ہو کر اہل ادب سے خراج حاصل کر چکے ہیں۔ اس شمارے میں اسباق کے ایڈیٹر نذیر فتح پوری صاحب کا گوشہ شامل ہے۔

آپ کے گوشے کے لیے بھی ادبی محاذ کے صفحات حاضر ہیں۔ تفصیل کے لیے اس فون نمبر پر رابطہ کریں۔ نمبر ہے: 09437067585

سید نفیس دسنوی

مدیر ادبی محاذ۔ کٹک
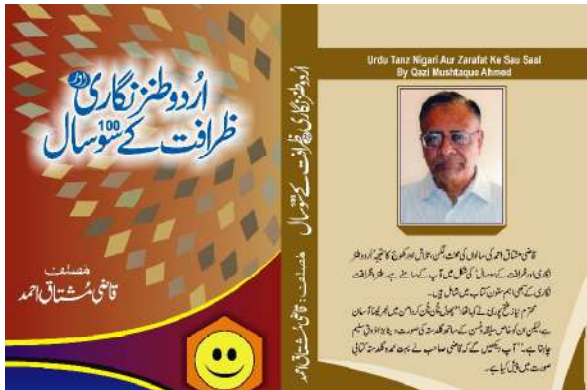
اس شمارے میں

ہمارے سرپرست — حضرت علامہ سید اولادِ رسول قدسیؔ (نیویارک، امریکہ)
ہمارے سرپرست — جناب سید خادم رسول عینیؔ (بھساول (انڈیا)

محاذ ثانی:

حمد و نعت

منظومات

وشۂ نذیر فتح پوری

مضامین

غزلیات

افسانے

غزلیات

محاذِ ثانی

PlotNo-148B,Sector-6,C.D.A
Bidanasi,Cuttack-753014(Odisha)
Mob-9437067585
E.mail:nafis.desnavi@gmail.com

افسانہ نگاری کی روایت

افسانہ دراصل داستان کا ''بون سائی''(Bonsai) روپ ہے ۔لفظ افسانہ فارسی نژاد ہے۔داستان گوئی ایک زمانے میں تفریح طبع(Entertaiment) کے لئے خوبصورت لمحات (QualityTime) فراہم کرتی تھی ۔جیسے کہ آج کے دور میں ٹی وی سیریل کیا کرتے ہیں ۔پھر یہ ہوا کہ بتدریج زندہ رہنے کی جدوجہد (StrugleForExistence) نے انسانی نفسیات پر اپنا دباؤ ڈالا کہ لمحات تیزی سے سکڑنے لگے ۔اور آخر کار ''اختصار''(Shortcut) زندگی میں کلیدی اہمیت اختیار کرنے لگا جیسا کہ کرکٹ کھیل میں آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ پہلے جب لوگوں کو فرصت تھی تو پنج روزہ ٹیسٹ، پھر سہ روزہ ٹیسٹ' پھر ون ڈے میچ اور اب آخر کار ٹی ٹوینٹی پر معاملہ پہنچ گیا۔ان بدلتے حالات اور تیزی سے اختصار کی جانب کے سفر میں ادب کسی طرح(Survive) تو کر گیا مگر بھاری قیمت چکانے کے بعد۔''داستان'' سکڑتے سکڑتے ''ناول'' کی شکل اختیار کر گیا پھر مزید سکڑ کر ''افسانوں'' کی ہیئت میں آگیا۔ اور اب مزید ایک قدم آگے بڑھ کر ''افسانچوں'' کے دور میں آگیا ہے۔''افسانچہ'' دراصل ایجاز واختصار کا فن ہے جو آج کی برق رفتار زندگی کا زائیدہ ہے اور سماج کے بنیادی مسائل کا مختصر ترین اظہار یہ بھی ہے ۔یہ کسی بھی موضوع پر فنکار کے فوری ردِعمل Instant) (Reaction کا زندہ حوالہ ہے ۔چنانچہ اگر یہ کہا جائے کہ ''افسانہ'' دراصل داستان کا ''بون سائی'' روپ ہے تو غلط نہ ہوگا۔

زندگی کی پیچیدگیاں جیسے جیسے بڑھتی گئیں ''افسانے کی ہیئت میں بھی تبدیلیاں آتی گئیں ۔بیانیہ، فکشن، فلیش بیک اور خودکلامی کے سہارے افسانوں کا پلاٹ آگے بڑھتا رہا ۔جب کہ شروع میں افسانے کے بیانیہ (Narrative) اسلوب کی جگہ تخیل پروازی اور تجریدی رجحان غالب تھا ۔اس سے آگے چل کر افسانے علامتی (Symbolic) اور پھر چیستانی (Quiz) کی شکل اختیار کر گئے ۔اس طرح تجریدی دور کا کہانی کار دشتِ بیکراں میں کہیں کھو گیا ۔افسانے کا کردار اگر پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے تو پتھر بن جاتا ہے، آگے بڑھتا ہے تو بے سروپا چیستانی پچھل پیریاں راستہ روکے کھڑی رہتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔نتیجہ یہ ہوا کہ ان سبھی منفی ہنگامہ آرائیوں میں قاری کہیں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔کہانی پن کے فقدان نے یہ ثابت کیا کہ اب افسانہ نگاروں کے پاس نہ کوئی موضوع تھا اور نہ مناسب شعور ۔مگر تحریک بند رجحانات کے خاتمے پر نئی شکل کے کہانی کاروں نے کھلی فضا میں سانس لی ۔ان افسانہ نگاروں نے آگے چل کر زندگی کے بکھرتے ہوئے اقدار، انسانی کردار کی شکست وریخت، معاشی مسائل، معاشرے میں پھیلی ہوئی بد عنوانیاں اور غربت کے بوجھ تلے دبے ہوئے کرداروں کے جمِ غفیر کو دائرۂ تحریر میں لایا۔ان موضوعات کو نئی نسل کے افسانہ نگاروں نے زیادہ تر مثبت اور تعمیری انداز میں پیش کرنا شروع کیا اور افسانوی ادب کو تازہ کاری ذائقہ دیا۔جس کے سبب افسانوں کا کھویا ہوا قاری دوبارہ اس صنف ادب کی طرف مائل ہوا۔ہوا یہ کہ جدیدیت کے نام پر افسانے کی ہیئت اور ساخت میں طرح طرح کے تجربے کیے گئے، علامتی اور تمثیلی افسانے پیش کئے گئے جن سے ادب میں ایک طرح سے منفی اثرات مرتب ہوئے۔افسانوں سے واقعیت پسندی اور حقیقت نگاری مفقود ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قاری الجھ گیا۔مگر اس دور کے خاتمے پر افسانہ پھر سے اپنی بنیادی ہیئت کی طرف لوٹ آیا اور پلاٹ نے مرکزی اہمیت اختیار کر لی۔

افسانے کو افسانہ ہونا چاہئے۔سیاسی منشور یا دستاویز نہیں۔کہا جاتا ہے کہ شاعری اپنی شوخیٔ تحریر، اور کہانی اپنے تیور سے پہچانی جاتی ہے۔ایک باشعور اور ذہین افسانہ نگار اپنے افسانوں میں ایسا کردار خلق (Create) کرتا ہے جس سے قاری شناسائی محسوس کرے اور اسے اجنبیت کا احساس نہ ہو۔وہ افسانہ کے کرداروں کو اپنے اردگرد چلتا پھرتا، سانس لیتا ہوا محسوس کرے۔کہانی کے تانے بانے کو اس چابک دستی سے بنے کہ پلاٹ جب قاری کے ذہن میں اترے تو اس کے لاشعور میں پھلنے پھولنے لگے، وسعت اختیار کرے۔قاری کے لاشعور میں کہانی جب ہمہ جہت سمتوں (Multi Dimentions) سے پھیلتی ہے تو وہ اپنی فطری رفتار پکڑتی ہے اور قاری اس تخلیقی عمل میں خود کو کہانی کار کا شریک محسوس کرنے لگتا ہے۔

مقبول اور ذہین افسانہ نگار اپنے اردگرد رونما ہونے والے زندگی کے واقعات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔اور اپنی فطری صلاحیتوں اور تجرباتی حس کے ذریعہ ان واقعات کے پس منظر کو اپنی تخلیقی بصیرت کی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ان کے

افسانوں کے زیادہ تر کردار متحرک ہیں، جن میں زندگی کی حرارت محسوس کی جا سکتی ہے۔ان کے افسانوں کے کچھ کردار بہت مختصر ہوتے ہیں مگر قاری کے ذہن پر اپنا ان مٹ نقش چھوڑ جاتے ہیں۔یہ تمام کردار افسانہ نگار کی تخلیق ہونے کے باوجود اس کی ذات سے الگ اپنا ایک وجود رکھتے ہیں۔دراصل افسانہ نگار اپنے اردگرد ہونے والے روزمرہ کے واقعات ہی میں کہانی کا پلاٹ تلاش کرتے ہیں۔اور ذات، دھرم اور طبقوں میں منقسم افراد سے کردار تراش لینے کا ہنر رکھتے ہیں۔یہ ان کی فن کاری ہے کہ کہانی کے کردار لوگوں کے درمیان چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔کہانی جب ارتقائی منزلیں طے کرتے ہوئے اختتام تک پہنچتی ہے تو یہ کردار ان کے ہم جلیس اور افرادِ خانہ بن چکے ہوتے ہیں۔اور افسانہ نگار جب انہیں قاری سے متعارف کراتا ہے تو وہ سب جانے مانے اور مانوس سے لگتے ہیں۔اسے افسانہ نگاروں کے کردار میں نہ تو مونالیزہ کی پراسرار مسکراہٹ ہوتی ہے نہ ابوالہول کا رعب اور دبدبہ اور نہ ہی گوتم بدھ کی تقدس آمیز گمبھیرتا۔بلکہ ان کے تمام کردار عام انسان ہوتے ہیں جن کے اپنے اپنے مسائل ہیں، اپنی اپنی کہانیاں ہیں، جن سے ہم قدم قدم پر زندگی کے مختلف موڑ پر ملتے ہیں۔ان کے مسائل اور مشکلیں ہمارے مسائل اور مشکلوں سے الگ نہیں ہوتیں۔بلکہ ان کی چھوٹی چھوٹی خوشیاں' بڑے بڑے غم ان انسانوں کا اٹوٹ حصہ ہیں جو ایک زندہ معاشرے کی علامت ہیں۔ایسے افسانوں کے پلاٹ چست اور درست ہوتے ہیں۔واقعات میں منطقی (Logical) ربط و تسلسل ہوتا ہے اور وہ اپنے مرکزی خیال (Central Theme) سے قربت بنائے رکھتے ہیں اور بتدریج نقطۂ عروج (Climax)
کی طرف بڑھتے ہیں جہاں کہانی کا کلائمکس قاری کا منتظر ہوتا ہے۔

ایک کامیاب افسانہ نویس اپنے تخلیق کردہ کرداروں کے ساتھ پہلے کچھ عرصہ خود جیتا ہے۔جب اس کے خدوخال پختہ ہو جاتے ہیں تب انہیں قاری سے متعارف کراتا ہے۔وہ پہلے تراش خراش کے ذریعہ پلاٹ کی صورت گری کرتا ہے، کرداروں کا زندہ جاگتا پورٹریٹ تیار کرتا ہے، مکالموں کو قوت گویائی عطا کرتا ہے۔منظر نگاری کے ذریعہ افسانے کے لئے فضا بندی کرتا ہے اور قصے کو دلچسپ مراحل سے گزارتا ہوا اسے کلائمکس تک لے جاتا ہے۔ایک اچھے افسانے کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں مرکزی وحدتِ خیال قائم ہو۔واقعات کا تانا بانا زیادہ بکھرا ہوا نہ ہو۔کردار، واقعات اور مکالمے مرکزی خیال کو ابھارتے ہوں اور کہانی کے خدوخال کی وضاحت میں ممد و معاون ثابت ہوں۔یہ وہ بنیادی عوامل ہیں جنہیں افسانوں کے اہم اجزائے ترکیبی سے معمور کہا جاتا ہے۔افسانے میں کہانی پن منطقی ربط کی زائیدہ ہو اور اندازِ بیاں کی فسوں کاری ایسی کیفیت پیدا کر دے جو قاری کو لاشعوری طور پر اپنی گرفت میں لے کر کشاں کشاں اپنے کلائمکس تک لے جائے۔یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ایک مکمل افسانے میں کہانی پن یا پلاٹ کا ہونا ضروری ہے، واقعات کا تسلسل کے ساتھ رونما ہونا، واقعات اور حادثات کی تیز رفتاری، اس کے ساتھ ہی غیر متوقع سس پنس (Suspense) سے ہوتا ہوا اپنے نقطۂ عروج (Climax) تک اس طرح لے جائے کہ قاری خود کو دیر تک لاشعور کی گرفت میں کھویا ہوا محسوس کرے۔جب قاری کسی ایسے افسانے یا ناول کا مطالعہ کرتا ہے تو دوطرفہ عمل کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔وہ تحریر سے جو کچھ اخذ کرتا ہے اس کی منظر کشی ذہن کے پردے پر خود بخود ہوتی رہتی ہے۔اس لئے قاری اس میں اپنے تصورات کی دنیا کو سمٹتے دیکھتا ہے۔اور جذباتی تسکین کا سلسلہ اسے اپنی گرفت سے نکلنے نہیں دیتا۔

اردو افسانوں پر ابتدا میں عالمی زبان کے افسانہ نگار مثلاً ایڈگر ایلن پو، گانر وردی، چیخوف، موپاساں اور او۔ہنری وغیرہ کے افسانوں کے سائے ضرور لہرائے تھے۔مگر جلد ہی اردو افسانے نے اپنا مخصوص اسلوب اور تکنیک منٹو، بیدی، کرشن چندر، عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر، انتظار حسین، خواجہ احمد عباس، شوکت صدیقی اور غیاث احمد گدی وغیرہ میں تلاش کر لیا۔یہ افسانہ نگاری کا وہ سنہرا دور تھا جب نہ صرف یہ کہ افسانوں کا ایک معیار ہوتا تھا بلکہ قارئین کا بھی ایک معیار ہوا کرتا تھا۔ان کے افسانوں میں رومانی عنصر کی کارفرمائی مقناطیسی کیفیت رکھتی تھی ان کے افسانوں کی ایک مخصوص خوبی یہ بھی تھی کہ انہوں نے زندگی کے ایسے گوشوں کی کہانی پلاٹ کے لئے منتخب کی جہاں دوسروں کی نگاہیں کم ہی جاتی تھیں۔ان کے یہاں افسانہ حقیقتِ حال کا بیانیہ نہیں طنز، سیاست، شاعری اور خطابت ہے۔

اردو کی پہلی خاتون افسانہ نگار طاہرہ دیوی شیرازی کے افسانے ۳۳۔۱۹۳۱ء کے دوران اردو کے متعدد ادبی رسائل میں شائع ہوئے۔ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ''سحر بنگال'' کے نام سے شائع ہوا جسے دیکھ کر نیاز فتح پوری اور عظیم بیگ چغتائی جیسے مشاہیر قلم نے حیرت انگیز مسرت کا اظہار کیا۔

ایک اچھا افسانہ یا کہانی خود اپنا راستہ بناتی چلی جاتی ہے۔منظر کو پس منظر سے روشن کرتی ہے۔ماضی، حال اور مستقبل بیک وقت اس میں سانسیں لیتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور قاری اپنے عہد کی دھڑکنیں، اس کا زیر و بم تحت الشعور میں جذب ہوتا ہوا محسوس کرتا ہے۔

☆☆☆

علامہ حضرت سید اولادِ رسول قدسی مصباحی (امریکہ)

سرپرست ادبی محاذ

رسولِ دو عالم کی سیرت کے جلوے　　ہمیں دے گئے علم و حکمت کے جلوے
مقدس یہ قرآن کے تیس پارے　　ہیں ممدوح خالق کی مدحت کے جلوے
کیا اعتماد ان پہ اعدا نے ہر دم　　نثار ان پہ یوں ہیں امانت کے جلوے
گلِ تر ہے وہ باغِ فضلِ خدا کا　　ہویدا ہیں جس میں شریعت کے جلوے
کریں گے عطا ہم کو خالق کی قربت　　قیامت میں ان کی شفاعت کے جلوے
ہو رہبر اگر اسوۂ سرورِ دیں　　تو پابوس ہوں گے سعادت کے جلوے
جو سر تا پا ہے غرق عشقِ نبی میں　　ہیں اس کی نگاہوں میں وحدت کے جلوے
لٹا دے جو احقاقِ حق کے لیے جاں　　بکھر جائیں گے اس میں رحمت کے جلوے

جو روحانی اقدار روشن ہیں قدسیؔ
ہیں ان کی یہ پاکیزہ سنت کے جلوے

اس پہ واضح ہے ایمان کی اہمیت　　جانتا ہے جو انسان کی اہمیت
پوچھے اوحیٰ الیٰ عبدہٖ سے کوئی　　عرشِ اعظم کے مہمان کی اہمیت
منکرینِ توسل کو کیا ہے پتہ　　میرے آقاؐ کے فیضان کی اہمیت
محورِ عشق کو خوب معلوم ہے　　قلبِ مضطر کے ارمان کی اہمیت
کر کے قربان جاں حق کی خاطر حسین　　ہم کو سمجھا گئے جان کی اہمیت
اصل ہے زیست میں حسنِ مضمون ہو　　کچھ نہیں محض عنوان کی اہمیت
ان کی نعتوں نے بخشا عجب اعتبار　　بڑھ گئی میرے دیوان کی اہمیت
پر بچھاتے ہیں راہوں میں اس کی ملک　　یوں ہے ان کے ثناخوان کی اہمیت

بالمقابل گدائے شہِ دین کے
ہیچ ہے قدسیؔ سلطان کی اہمیت

غزل

کتنا مشکل ہے زندگی کا سبق　　سر پہ جیسے تنی ہو سیفِ ادق
خونِ ناحق سے اک زمیں ہی نہیں　　سرخ ہے چرخ کا ہر ایک طبق
جاں گسل دھوپ کی تمازت سے　　ہوگیا چاک سینۂ لق و دق
سن کے روداد آفتابِ حزیں　　ہوگئی اشک بار چشمِ شفق
ہیں مہہ و روز اس لیے ششدر　　کیوں ہے سادہ کتابِ سن کا ورق
باغِ عالم کا وہ گلِ یکتا　　مشک سے بھی فزوں ہے جس کا عرق

ہجر کی تیرہ شب میں بھی قدسیؔ
پُر ضیا شاداں ہے دل کا قلق

غزل

تلخیوں سے بھرا ہوا ہے راگ　　آپ بیتی سنا رہا ہے راگ
جانے کس بات کا ہے غم اس کو　　یک بیک ہنس کے رو پڑا ہے راگ
بے خبر ہو کے سمتِ منزل سے　　اپنی ہی رو میں بہہ چلا ہے راگ
مست و بے خود کرے نہ کیوں مجھ کو　　دردِ دل کی حسیں صدا ہے راگ
تھک گئے لفظ و صوت سمجھا کر　　اب بھی ضد پر مگر اڑا ہے راگ
ذوقِ سامع سے ہو کے بالا تر　　فکرِ شہرت میں مبتلا ہے راگ

بزم کے انتظار میں قدسیؔ
راہِ پرپیچ پر کھڑا ہے راگ

جناب سید خادمِ رسول عینؔی (بھساول۔جلگاؤں)

سرپرست ادبی محاذ

مستقل پتہ: خانقاہِ قدوسیہ۔قدوسی نگر۔مرزاپور۔بھدرک (اڈیشا)

نعتِ پاک

باطلوں کا اثر ہوا ہی نہیں
حق کے موقف سے میں ہٹا ہی نہیں

گنبدِ سبز جب سے آیا نظر
پھر نظر سے مری ہٹا ہی نہیں

مانتا ہوں کہ وہ نہیں ہیں خدا
ان سا عالم میں ناخدا ہی نہیں

کیا عجب ان کے صدقے سے مل جائے
وہ جو تقدیر میں لکھا ہی نہیں

میرے پاس ان کی ہے متاعِ یاد
زیست میں اب کوئی خلا ہی نہیں

جلوہ افروز تھے وہ رب کے سوا
جب کسی کا وجود تھا ہی نہیں

ڈھونڈ کر ہر سو کہہ گئے جبریل
ان کے جیسا کوئی بنا ہی نہیں

شاہِ دریا سے جو ہوا منسوب
آگ میں وہ کبھی جلا ہی نہیں

یوں بھرا دل میں ماں نے عشقِ نبی
عینؔی اس کا اثر گیا ہی نہیں

غزل

ہے یاد ایسی تیری کہ آتی ہے ہر روز
مجھے دے کے تھپکی سلاتی ہے ہر روز

نہیں بن سکا دست و بازوئے حق میں
مری ذات مجھ کو ستاتی ہے ہر روز

تری یاد پُرکیف تازہ گلوں سے
مری زلف شب کو سجاتی ہے ہر روز

نہ کیوں رب کی رحمت پہ قربان جاؤں
وہ سینے سے مجھ کو لگاتی ہے ہر روز

ذرا کہکشاں کی اطاعت تو دیکھو
ستاروں کی چادر بچھاتی ہے ہر روز

خوشی کے سماں کو تہہِ تیغ کرکے
تری ذات کیوں چوٹ کھاتی ہے ہر روز

زمانے کو ہے درد بے حد کہ تاریخ
حقائق کے خط کو مٹاتی ہے ہر روز

خلوص و محبت کا فقدان ہے کیوں؟
یہی بات عینؔی رلاتی ہے ہر روز

نعتِ پاک

ہے جنت دران کا یہاں سے وہاں تک
کرو تم نظارا یہاں سے وہاں تک

نظر آ رہا ہے ہراک سو اجالا
نبی کا ہے جلوہ یہاں سے وہاں تک

رواں ہے شہنشاہِ کون و مکاں کی
سخاوت کا دریا یہاں سے وہاں تک

ہے نورِ نبی کا یہ صدقہ، فلک میں
چمکتا ہے تارا یہاں سے وہاں تک

ذرا بو لہب کا یہ انجام دیکھو
ہے اب بھی وہ رسوا یہاں سے وہاں تک

لحد دیکھئے عاشقِ مصطفٰے کی
ہے اس میں اجالا یہاں سے وہاں تک

تصدق ہے نعتِ نبی کے شجر کا
ثمر نیکیوں کا یہاں سے وہاں تک

ولادت پہ ان کی بتانِ حرم سے
ہوئے سربسجدہ یہاں سے وہاں تک

تمنا بر آئی شہہِ دو جہاں کی
بنا کعبہ، قبلہ یہاں سے وہاں تک

ہوا قتل شر آمدِ مصطفٰے سے
بسی خیر ہر جا یہاں سے وہاں تک

تھا غم کا طوفان یادِ نبی سے
خوشی کا ہے دریا یہاں سے وہاں تک

ہے علمِ نبی کتنا، رب جانتا ہے
نہ کہنا کہ بس تھا یہاں سے وہاں تک

خدا کے پیمبر کی عظمت یہ عینؔی
ہے قرآں حوالہ یہاں سے وہاں تک

غزل

رخ تیرا اگر جانبِ منزل نہیں ملتا
تو تیرا قدم بر سرِ ساحل نہیں ملتا

حق بات کی تشہیر کی عادت پڑی جب سے
محفل میں مری کوئی بھی شامل نہیں ملتا

گر یاد رکھے ہوتے سب اقرا کے سبق کو
اس قوم میں پھر کوئی بھی جاہل نہیں ملتا

ہیں ساتھ ترے نخل و شجر، چاند ستارے
کہنا نہیں پھر رہبرِ منزل نہیں ملتا

قرآن نے للکارا تو اعدا بھی یہ بولے
اک حرف بھی قرآں کے مماثل نہیں ملتا

منجدھار سے کشتی کی یہی آتی ہے آواز
اب ڈھونڈیں کہاں رہبرِ کامل نہیں ملتا

جو لڑ نہ سکا بحر میں موجوں سے کبھی بھی
شکوہ ہے مگر اس کو کہ ساحل نہیں ملتا

مائل ہے سدا جانبِ مدحِ شہہِ خوباں
دل میرا کبھی نعت سے غافل نہیں ملتا

انساں کا عمل ہوتا اگر لاتہنوا پر
دنیا میں کبھی کوئی بھی کاہل نہیں ملتا

کیسے ملے سرکار کے دربار کی تمثیل
خالی کوئی جب کاسۂ سائل نہیں ملتا

سیارے سبھی ڈھونڈ چکے ہم نے فلک میں
تجھ سا مگر اے جاں مہِ کامل نہیں ملتا

ہے چاروں طرف نیولوں کا عینؔی بسیرا
چھپنے کے لیے سانپ کو اب بل نہیں ملتا

حمد و نعت

ارشد مینانگری

51,Mominpura.SurveyNo-19
Malegaon

حمدِ باری تعالیٰ

صفحۂ فکر کو تحریر عطا کرتا ہے   لفظ ہر لفظ کو تفسیر عطا کرتا ہے
صرف دن ہی کو منور نہیں رکھا اس نے   شب کی ظلمت میں بھی تنویر عطا کرتا ہے
اس کے اکرام ونوازش کی کوئی حد ہی نہیں   کاہ کو کوہ کی توقیر عطا کرتا ہے
کبھی ٹھکرائی نہیں اس نے محبت کی طلب   رانجھا چاہے تو اسے ہیر عطا کرتا ہے
کہہ رہا ہے یہ بہر طور عصائے موسیٰ   بچ نکلنے کی وہ تدبیر عطا کرتا ہے
اور کیا چاہیے منزل کے طلب گاروں کو   رہنمائی کے لیے پیر عطا کرتا ہے
کیوں نہیں ہوتی ہیں مقبول دعائیں اپنی   وہ تو آہوں میں بھی تاثیر عطا کرتا ہے
جیسی تدبیر کیا کرتا ہے انساں ارشد   وہ اسے ویسی ہی تقدیر عطا کرتا ہے

انجینئر عزیز تنویر کوٹوی

C/O:Dr.MoinuddinShaheen
395,Azadnagar.Kotra
PushkarRoad.Ajmer-305001
Rajasthan

حمدِ باری تعالیٰ

ترے کن کے اشارے سے ہوا سب ربِ یزدانی
تری عظمت کی شاہد ہیں سبھی آیاتِ قرآنی
حرم میں دیکھی اک دن تیرے جلوؤں کی فراوانی
فروزاں دیدۂ بینا ہیں اب تک ربِ سبحانی
ترے جلوے یہاں ظاہر بھی ہیں مستور بھی یارب
نظر آتی ہے ہر شے میں یہ تیری جلوہ سامانی
خلا میں ہیں معلق جو یہ خورشید و مہہ و انجم
یہ قدرت دیکھ کر تیری، نہیں جاتی ہے حیرانی
اسی دم طورِ سینا جل کے خاکستر ہوا یارب
کہ جس دم پڑ گیا تھا اس پہ تیرا عکسِ تابانی
خدایا بخش دے تنویرؔ کو گویائی کچھ ایسی
تری تعریف میں کہتا رہے اشعارِ حمدانی

عبدالمجید فیضی

12/106,Nayapara,Sambalpur-768001
Odisha

تحدیثِ نعم

دل میں نہاں ہے اللہ ہی اللہ   وردِ زباں ہے اللہ ہی اللہ
شمس وقمر میں برق وشرر میں   نور فشاں ہے اللہ ہی اللہ
آباد اس کے فضل وکرم سے   سارا جہاں ہے اللہ ہی اللہ
دیکھوں جدھر میں ارض وسما میں   جلوہ عیاں ہے اللہ ہی اللہ
سکھ کی گھڑی میں شکرِ الٰہی   دکھ میں فغاں ہے اللہ ہی اللہ
دیتا ہے سب کو مانگو نہ مانگو   روزی رساں ہے اللہ ہی اللہ
درد والم میں] جور وستم میں   کرب میں جاں ہے اللہ ہی اللہ
ھند ہمارا دارالاماں ہے   سب پہ عیاں ہے اللہ ہی اللہ
ہند کے دم سے دنیا میں قائم   امن و اماں ہے اللہ ہی اللہ
رنگِ محبت نغمۂ الفت   حسنِ بیاں ہے اللہ ہی اللہ
سب سے نرالی فیضیؔ ہماری   اردو زباں ہے اللہ ہی اللہ

ارشد مینانگری

51,Mominpura.SurveyNo-19
Malegaon

نعتِ پاک

نظر سبز گنبد کا خم چومتی ہے   تمنا بساطِ حرم چومتی ہے
درِ پاک احمدؐ کی شان اللہ اللہ   جسے آبروئے کرم چومتی ہے
نگاہِ فلک ارضِ طیبہ کے ذرّے   برائے ادب دم بہ دم چومتی ہے
یہ شانِ ادب رونقِ سبز گنبد   تجلّیٰ بھی باغِ ارم چومتی ہے
یہ حسنِ تقدس فرشتوں کی حسرت   جمالِ نبیؐ کے قدم چومتی ہے
براقِ شہِ انبیاء کے قدم کو   بلندی خدا کی قسم چومتی ہے
تمنائے زائر بہ ذوقِ عقیدت   درِ پاکِ شاہِ امم چومتی ہے
فرشتے ہیں شاہد کہ ہر دم سعادت   خوشا روضۂ محترم چومتی ہے
محمدؐ کے کردارِ رحم و کرم کو   خجل ہو کے روحِ ستم چومتی ہے
خوشی کی خوشی ہے الم مصطفیٰ کا   مسرت محمدؐ کے غم چومتی ہے
قسم حق تعالیٰ کی یادِ نبیؐ کو   ہر اک پل مری چشمِ نم چومتی ہے
گناہوں پہ جب اپنے ہوتا ہوں نادم   تو رحمت مری چشمِ نم چومتی ہے

عبدالمجید فیضی
12/106,Nayapara,Sambalpur-768001
Odisha

تحدیثِ نعمت

حمدِ الٰہی عین عبادت — نعتِ نبیؐ تحدیثِ نعمت
ربِ دو عالم کی ہے اطاعت — طاقتِ صاحبِ تاجِ رسالت
ثروتِ دنیا، نعمتِ عقبیٰ — ہوتی ہے حاصل ان کی بدولت
ذکرِ خدا کے ساتھ بیاں ہو — سرورِ دیں کی شان و فضیلت
ملتِ بیضا، امتِ ناجی — جانبِ حق سے ہے جسے نصرت
خیر الناس ہیں ہادیٔ برحق — خیر الامم ہے آپ کی امت
احمدِ مرسلؐ شافعِ محشر — ساقیٔ کوثرؐ مالکِ جنت
ہم ہیں سراپا پیکرِ عصیاں — للہ کیجئے آقا شفاعت
خَلوت و جَلوت میں فیضی کو — آپ کی ہو للہ زیارت

اسحاق انور
At/Post:Rasoolpur.Via:Lataharan
Dist:Puri-752001(Odisha)

نعتِ پاک

آئے حضور لے کے نبوت کی روشنی — پھیلی جہاں میں دینِ حقیقت کی روشنی
صادق امین کہتے تھے اہلِ عرب جنھیں — قائم ہے ان کے دم سے صداقت کی روشنی
باطل کی ظلمتوں کا ہوا خاتمہ وہاں — روشن ہوئی جو ان کی ولادت کی روشنی
وحدت کا جام پی کے جو مسرور ہوگئے — ان کے دلوں میں چمکی ہدایت کی روشنی
اک پل میں ان کی زندگی دیکھو سنور گئی — جن کو ملی ہے آپ کی سیرت کی روشنی
صدقِ دلی سے لیتے ہیں نامِ نبیؐ اگر — بے چین دل کو ملتی ہے راحت کی روشنی

انور جو موت آئے نبیؐ کے دیار میں
مدفن میں اس کے آتی ہے جنت کی روشنی

حافظ کرناٹکی
Shimoga.Karnataka

مرے جان و دل ہوں نثارِ مدینہ
دکھائے یہ دن بھی دیارِ مدینہ
وہاں نقش پائے محمدؐ ہیں روشن
چمکتا رہے ریگ زارِ مدینہ
اگر کوئی مُفسد یہاں آ بھی جائے
جکڑ لے گا اُس کو حصارِ مدینہ
بدل ڈالی تہذیب جس نے عرب کی
وہ تھا تنہا ناقہ سوارِ مدینہ
کوئی نظر بد اِس پہ اُٹھتی نہیں تھی
تھے جب تک یہاں تاجدارِ مدینہ
ہے لعل و جواہر سے سو درجہ افضل
جو پھیلا ہُوا ہے غُبارِ مدینہ
مجھے یاد آتے ہیں رہ رہ کے اب تک
وہ دل موہ لیل و نہارِ مدینہ
زمانے کی سانسوں کو مہکا رہا ہے
مہکتا ہوا لالہ زارِ مدینہ

عظیم الدین عظیم
PlotNo-78/427,LotusGarden
Jadupur.Bhubaneswar

آپؐ آئے ہیں ہماری رہبری کے واسطے
ساتھ میں قرآن لائے آگہی کے واسطے
مٹ گئیں تاریکیاں تشریف لائے آپؐ جب
ہم تڑپتے تھے جہاں روشنی کے واسطے
رحمت اللعالمیں کا آپؐ نے پایا خطاب
یہ شرف مخصوص ہے بس آپ ہی کے واسطے
مالکِ کون و مکاں سے آشنا کر کے ہمیں
یہ بتایا آئے ہیں ہم بندگی کے واسطے
آپ کا درسِ محبت جیسے اک تریاق ہے
نفرتوں کے اس جہاں میں آدمی کے واسطے
اپنی آنکھوں سے مدینہ دیکھ لوں اک دن عظیم
آرزو ہے دل میں دیدارِ نبیؐ کے واسطے

محمد طفیل احمد حافظ
At:Sonapali.P.O:Dhankoda
Sambalpur-768006(Odisha)

نعلینِ پاک سے تری شمس و قمر کی آبرو
فرشِ زمیں سے عرش تک گردِ سفر کی آبرو
خیرِ بشر کی ذات ہے نوعِ بشر کی آبرو
خُلقِ عظیم مرحبا، فتح و ظفر کی آبرو
کیف و نشاط کا سماں، فردوسِ گوش ہر بیاں
''ذکرِ حبیبِ کبریا، جذب و اثر کی آبرو''
واللیل زلفِ عنبریں، والشمس روئے دل نشیں
جلوۂ والقمر سے ہے، ذوقِ نظر کی آبرو
حافظ وہ جاں فزا سماں، آمد ہے رحمتِ جہاں
حسنِ زمین و آسماں، نورِ سحر کی آبرو

عارف جمالی
Kamptee.Nagpur

قیصر واحدی کی نذر

لفظ کا دریا ہے قیصر واحدی — نکتہ کا ماہر ہے قیصر واحدی
نثر میں نثّار قیصرِ واحدی — نظم سے شاعر ہے قیصر واحدی
چشمِ بینا اور پھر فکرِ رسا — ایک دانش ور ہے قیصر واحدی
دل سے ہے معصوم بچے کی طرح — عزم سے پتھر ہے قیصر واحدی
یہ نہیں قیدی حصارِ ذات کا — خول سے باہر ہے قیصر واحدی
جھوٹ کے دشمنِ سے اس کی دشمنی — سچ کا اک پتھر ہے قیصر واحدی
سچ ہے یہ عارف جمالی مان لو — تم سے تو بہتر ہے قیصر واحدی

ادیبہ صدف
BehindBansal Cinema
StreetNo-5,Choudhrywara
Sikandarabad
District: Buland Shaher

ٹوٹ کر میں نہیں بکھرتی ہوں — حوصلہ دل میں اپنے رکھتی ہوں
پتھر کی راہ پر کرتی ہوں سفر میں — خارزاروں سے بھی گزرتی ہوں
ہے بزرگوں کی بھی دعا شامل — ٹوٹتی ہوں نہ میں بکھرتی ہوں
میرے اللہ کا کرم ہے سب — بے خطر راہ سے گزرتی ہوں
آندھیوں سے کبھی نہ گھبراتی — موجِ دریا سے بھی میں لڑتی ہوں
سب سے ملتی ہوں میں مروت سے — اپنی میٹھی زبان رکھتی ہوں

سراج فاروقی
703,NearCollegePhatak
Wadghar.Panvel-410206
Mumbai

شہنشاہِ سخن

اے غزل کے مسیحا، اے شہنشاہِ سخن
پیش کرتے ہیں خراج اب تجھ کو ہم اہلِ وطن
تو نے ہی سمجھایے ہیں دنیا کو آدابِ خودی
جگمگائی تیرے ہی دم سے تب وتابِ خودی
قوم تھی سوئی ہوئی جاگی ترے پیغام سے
آبروا ردو کی باقی ہے تو تیرے نام سے
تیرے شعروں میں تجلّی جیسے کوہِ طور کی
جس کے جلوؤں نے ہمیشہ ظلمتِ شب دور کی
شعروفن کی مملکت پر حکمرانی ہے تری
اور دنیائے ادب پر مہربانی ہے تری
سچ تو یہ ہے ہوگیا عہدِ سخن تجھ سے تمام
گونجتا ہے سارے عالم میں ترا ہی ایک نام
بھیجتی ہے تجھ کو باغِ خلد کی خوشبو سلام
عرض کرتی ہے ادب سے عظمتِ اردو سلام

محفوظ عارفؔ
WaliManzil.JuranGhhapra
Muzaffarpur-842003
Bihar.

مسجدِ اقصیٰ

مسجدِ اقصیٰ سے رشتہ روح کا اور جان کا
جیسا رشتہ ماں سے ہوتا ہے کسی انسان کا
وہ مرا بیت المقدس، قبلۂ اول مرا
جس کے ہر ذرّے میں پیوست ہے
جان ودل مرا
آج صیہونی درندوں کا بڑھا ہے حوصلہ
بربریت، ظلم کا جاری ہوا ہے سلسلہ
اب ہمیں دیتی ہے غیرت ہر گھڑی ایک ہی صدا
آرہی ہے مسجدِ اقصیٰ سے ہر دم یہ ندا
پھر صلاح الدین ایوبی سا ہمت لائیے
اپنی جاں بازی کا جوہر وقت کو دکھلائیے
ذوالفقارِ حیدری باہر کرو اب نیام سے
نعرۂ تکبیر کی آئے صدا ہر بام سے
پرچمِ الفت کے لہرانے کا موسم آگیا
اب فصیلِ ذات کو ڈھا کر چلو آگے بڑھیں
فرقہ بندی کو مٹا کر ہم بلندی پر چڑھیں
جذبۂ فاروقؓ ہو اور ہوش ہو بو بکرؓ سا
دل میں جذبہ ہو ہمارے اسوۂ شبیرؓ کا
ہمتِ مرداں لیے اقصیٰ کی جانب ہم چلیں
بدر کے میدان کا جذبہ لیے آگے بڑھیں
فتح ونصرت خود بخود آجائیں گے قدموں تلے
قیصر وکسریٰ جھکیں گے پھر سے ان قدموں تلے

☆☆☆

رفیع احمد آفتاب
Mohalla Khuda Nagar
P.O:Motoihari.Dt:E.Champaran(Bihar)

ادب کا آدمی

میں ادب کا آدمی ہوں — قاسمی نہ ہاشمی ہوں
آئینہ رکھتا نہیں میں — رنگ سے کچھ کاظمی ہوں
ہو رہا ہوں میں اشاعت — میرؔ غالبؔ کاظمی ہوں
کر رہا ہوں میں حماقت — میں جہاں ہوں لازمی ہوں
یہ غزل ہے یا تعارف — یا غزل کا خاتمی ہوں
آفتاب اس پر یقیں ہے — میں بھی کتنا واہمی ہوں

سید خادم رسول عینی
C\O,S.K.Rasul.
D-4,MaheshwariTower
RodNo-1,BanjaraHills
Hyderabad-500034(T.S)

نظم در مدح شاعرِ مشرق علامہ اقبال

ہیں ریختہ کے طرف دار شاعرِ مشرق
زباں کے واقفِ اسرار شاعرِ مشرق
خودی کے فلسفے سے آشنا کیا ہم کو
ہماری قوم کے معمار شاعرِ مشرق
نئے تصور و تخئیل کو جلا بخشی
جدید ادب کے ہیں معمار شاعرِ مشرق
کیا زبان کو تلمیح سے مزین خوب
بہت عظیم ہیں فنکار شاعرِ مشرق
قلم نے دے دیا رجحانِ نو ادیبوں کو
جدیدیت کے علم دار شاعرِ مشرق
ترے کلام کے سورج کی تیز کرنوں نے
کیا ہے قوم کو بیدار شاعرِ مشرق
یہ اقتباس و علامات و استعارے سب
ہیں بس ترے گل وگلزار شاعرِ مشرق
مہک ہے چاروں طرف جس زباں کی وہ اردو
بنی ہے آپ سے گلزار شاعرِ مشرق
تمہارے شہرۂ آفاق کی نہیں ہے حد
تمہارے ہیں سبھی ادوار شاعرِ مشرق
ابھی بھی گونجتے ہیں کانوں میں تمہارے وہ
جو قرطبہ پہ تھے اشعار شاعرِ مشرق
تمہارا نغمہ جو "سارے جہاں سے اچھا ہے"
وہی ہے آج بھی شہکار شاعرِ مشرق
ادب کے چرخ کو حیرت میں ڈال دیتی ہے
تمہاری رفعتِ معیار شاعرِ مشرق
تمہارے آگے زمانے کے فلسفی خم ہیں
ہو علم و فضل کے مینار شاعرِ مشرق

مطیع اللہ نازش (کٹک)

نظم فاشزم

جب فاشزم عام ہو جایے گی
جب فسطائیت پھیل جایے گی
جب بربریت حد سے بڑھ جایے
جب آدمی کا جینا دوبھر ہو جایے
تو آواز اٹھانی لازم ہے
جب جمہوریت خطرے میں ہو
تو اس کی حفاظت لازم ہے
تم حق کو ہمارے چھینتے ہو
اشتعال انگیز باتیں کرتے ہو
ہمیں اپنا محکوم سمجھتے ہو
تم ڈالتے ہو ہم کو زنداں میں
ہم چھین کے لیں گے آزادی
مگر پُر امن طریقے سے
ہم سب کو یکجا کرنے نکلے ہیں
لوگوں میں آئی ہے بیداری
اب ہار تمہاری قسمت ہے
اور جیت ہمارے لوحِ بخت میں
لکھی ہے۔

زرتاب غزل
C/O: SyedAliAhmed
64/1,ColootolaStreet.1stFloor
Opo:SBI
A.T.M.Kolkata-700073

نظم ماں

مجھے محسوس ہوتی ہے کوئی خوشبو
جو اٹھتی ہے سراپے سے مرے اکثر
مجھے حیرت نہیں یہ لمس کس کا ہے؟
میں واقف ہوں بہت پہلے سے اس سے
مری ماں! یہ ترا ہی لمس ہے
جس کو سدا محسوس کرتی ہوں
میں پیشانی پہ اپنی
کبھی لگتا ہے
میں خود میں نہیں ہوں
میں جب بھی آئینے کو دیکھتی ہوں
آئینہ حیرت سے مجھ کو دیکھتا ہے
وہ خود سے پوچھتا ہوگا
کہ یہ زرتاب ہے یا اس کی ماں ہے
مری ماں سن!
تری ممتا کی چھاؤں جب تلک
مجھ کو ملی
تری زرتاب دنیا میں بہت پھولے پھلے گی
☆☆☆

گوشۂ احباب

(مراسلہ نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں)

☆عبدالمجید فیضی (سمبلپور، اڈیشا)

سہ ماہی ''ادبی محاذ'' بابت اکتوبر تا دسمبر ۲۰۲۳ء میں جناب حافظ محمد طفیل احمد حافظ، ساکن سونا پالی، سمبلپور کی مرسلہ نعتِ پاک شائع ہوئی مگر موصوف کی جگہ مولانا محمد طفیل احمد مصباحی کا پتہ درج ہو گیا ہے، براہِ کرم اصلاح کرتے ہوئے آئندہ شمارے میں شائع فرمائیں۔

(نوٹ:۔ادارہ اس سہو کے لیے معذرت خواہ ہے۔صحیح پتے کے ساتھ دوبارہ مذکورہ نعت اس شمارے میں شامل کر لی گئی ہے۔)

☆صادق علی انصاری (سیتاپور (یوپی)

ادبی محاذ بابت جولائی تا ستمبر ۲۰۲۳ء ملا جو گوشۂ عزیز بلگرامی صاحب کے حوالے سے ہے ملا۔ان کے فکر و فن پر بہت سارے مشاہیر اہلِ قلم کے مضامین شائع کیے گئے ہیں جن میں عزیز بلگرامی کے حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔پروفیسر نذیر احمد خاں لوہاتی، عبداللہ سلیمان ریاض اور عبدالغفور پاریکھ کے مضامین تفصیلی اور سیر حاصل ہیں۔محترمہ شاذیہ امان صاحبہ کا مقالہ ''قیصر واحدی: اخباری دنیا سے عالمی شہرت تک'' مبسوط اور مدلل ہے۔اس سے قیصر واحدی کی ادبی زندگی واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے۔

منظومات کے حصے میں گورکھ پور کے عبدالحئی پیام انصاری، نور نوابی کے۔انیس اظہر، تنویر کوٹوی، مرغوب اثر فاطمی، ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی (نیپال)، مجیب الرحمٰن بزمی اور اشرف یعقوبی کی غزلیں معیاری ہیں۔افسانہ ''موت کی بے بسی'' اثر انگیز ہے تو ''سچائی کا تحفہ'' سچ کا درس دیتا نظر آتا ہے جس سے چھوٹے بڑے سبھی درس لے سکتے ہیں۔''کتابوں کے شہر'' کے تحت چھ عدد نثری و شعری مجموعوں پر بہترین تبصرہ کیا گیا ہے۔تبصرہ نگاری کے لیے آپ ایک اچھے رہنما ثابت ہو سکتے ہیں۔راقم الحروف کے افسانوی مجموعہ ''کوئی عنوان نہیں'' پر آپ نے بڑا اچھا تبصرہ کیا ہے جس کے لیے آپ کا شکر گزار ہوں۔

طرحی غزلوں کے کالم میں دی گئی طرح ''ڈرتے ڈرتے گناہ کرتا ہوں'' پر مختلف شعرا نے بہت خوب طبع آزمائی کی ہے۔

آپ کی توجہ ادبی محاذ جنوری تا مارچ ۲۰۲۳ء کی طرف لے جانا چاہتا ہوں۔صفحہ ۳۵ پر تصویر کے ساتھ میرے تین افسانچے شائع ہوئے ہیں جن کے نام ہیں: نہ چاہتے ہوئے بھی، کہاوت اور شاید۔ان میں سے دو افسانچے ''نہ چاہتے ہوئے بھی'' اور ''کہاوت'' جولائی تا ستمبر کے شمارے میں محترم اطیر نیر کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔ایسی غلطی سے آئندہ پرہیز کریں تو بہتر ہے۔

(نوٹ:۔ادارہ اس غلطی کے لیے معذرت خواہ ہے)

☆عبدالحق بیتاب (کٹک):۔

لہجے کی یکسانیت اور فرسودہ تراکیب جہاں بوریت کا سامان پیدا کرتی ہیں، وہیں اشعار سامع یا قاری کے ذہن پر دیرپا اثرات مرتب کرنے میں ناکام نیز دل کے اندر اترنے کی صلاحیت سے محروم رہ جاتے ہیں۔

شکر ہے کہ سمیع الحق شاکر نے بہت جلد اس نکتے کی صداقت کو تسلیم کر لیا اور ایک صحت مند تبدیلی کی ضرورت کو لازمی گردانتے ہوئے ان عناصر کو اپنی شاعری سے دور کرنے کی کوشش کی جو اچھی شاعری کی راہ میں رکاوٹ کا کام انجام دیتے ہیں، نتیجتاً بعد میں آنے والی ان کی غزلیں فرسودگی، مہملیت، ابتذال اور لایعنیت جیسی مکروہات سے بڑی حد تک پاک صاف دکھائی دیتی ہیں جن میں اسلوبیاتی سطح پر نظر آنے والی خوشگوار اور مثبت تبدیلی کو بھی بجا طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ان کے مجموعۂ کلام ''کانچ کا گھر'' مذکورہ مکروہات سے پاک وصاف ہیں اور اس میں شامل غزلیں ان کی عصری حسیت کا پتہ دیتی ہیں۔امید ہے کہ ان کا یہ مجموعۂ کلام ادبی حلقوں میں پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا جائے گا۔

☆وصی مکرانی واجدی (نیپال)

چند طرحی کلام حاضرِ خدمت کر رہا ہوں۔کبھی کسی شمارے میں جگہ دے سکتے ہیں۔کبھی کبھی آپ کے رسالے کا دیدار ہو جاتا تو کچھ لکھنے کو موقع ملتا تھا۔اب تو دید سے محروم ہوں۔پھر بھی آپ کی بزم میں شرکت کا شوق کلام لکھنے پر مجبور کر دیتا ہے۔آپ کے رسالے میں شرکت کا مطلب بہت دور تک رسائی اور دانشورانِ سخن شناسائی کا موقع ملتا ہے۔اللہ رب العزت رسالے کو اور اس کے منتظمین کو سلامت رکھے۔آمین۔سات کی دہائی پار کر چکا ہوں۔صحت بھی پہلی جیسی نہیں رہی۔شاعری کی لت ایسی ہے جسے لگ گئی چھوڑتی نہیں۔

(نوٹ:۔آپ کو رسالہ پابندی سے بھیجا جا رہا ہے۔ایڈریس سیتامڑھی کا ہے۔یہ پتہ آپ ہی نے دیا تھا۔اگر دوسرے کسی پتے پر منگوانا چاہیں تو پتہ لکھ بھیجیں۔زرِ سالانہ بھی عنایت کریں۔آئندہ آپ کو ہر شمارہ رجسٹر ڈاک سے بھیجا جائے گا۔اس لیے دو سو روپے ارسال کریں)۔

(بقیہ صفحہ 56 پر)

☆سید خادم رسول عینی: ادبی محاذ برائے اکتوبر تا دسمبر 23ء کا شمارۂ نظر نواز ہوا۔اس میں گوشۂ عظمت علی عظمت کا مطالعہ کر کے مسرت کی انتہا نہیں رہی۔یہ جان کر بڑی

خوشی ہوئی کہ عظمت علی عظمتؔ کٹیوی ایک صاحب دیوان شاعر ہیں۔ان کی شخصیت و شاعری پر سعید رحمانی،بشیر احمد،ستار ساحر،اقبال حسین،یوسف جمیل جامعی،خادم رسول عینیؔ،سلطان محی الدین چشتی اور وحید کوثر کے مقالات بہت پسند آیے۔

سید نفیس دسنوی کا مقالہ ''مکتوب نگاری کی روایت''بہت دل چسپ اور معلوماتی ہے۔اگر چہ مکتوب نگاری خاتمہ کی کگار پر پہنچ گئی ہے،میرے خیال میں دفتری مکتوب نگاری اب بھی جاری ہے اور جاری رہے گی۔اس طرح یہ صنفِ ادب زندہ رہے گی۔مطیع اللہ نازشؔ کا مقالہ ''اڈیشا میں اردو شعر و سخن کا درخشندہ ستارہ''بہت معیاری اور پسندیدہ ہے۔

غزلیات میں ڈاکٹر بدرؔ محمدی،ظفر اقبال ظفرؔ اور سلیم انصاری کی غزلیں بہت پسند آئیں۔عبدالحئی پیام انصاری کی غزل بھی خوب ہے لیکن ان کے مطلع میں ایطا ہے اور آخری دو ابیات خارج از بحر ہیں۔تبریز عزیز خاں نے غزل کے ایک شعر میں لفظ ''نواب'' کو فعول کے وزن میں استعمال کیا ہے جبکہ یہ لفظ مفعول کے وزن میں درست ہے۔رضا الباری اظہر نے ''وجہ'' کو فعل کے وزن پر لایا ہے جبکہ فاع کے وزن پر ہونا چاہیے۔

میری کتاب ''نورِ مناقب'' پر بہت خوبصورت انداز سے تبصرہ کر کے آپ نے شمارے میں شائع فرمایا۔بہت بہت شکریہ۔

☆☆☆

سید خلیق الزماں خلیقؔ
Jawahar Navodaya Vidiyalaya
Mehra Purwa.Deoria-274001(U.P)
Mob-8009025588

ایک غزل

زمانے سے غرض کیا جب خدا ہے
وسیلہ بس شبِ غم کی دعا ہے

تدارک کرنے آیا تھا غموں کا
مسیحا مخمصے میں خود پڑا ہے

دیا امید کا روشن ہے لیکن
زمانے کی بہت بگڑی ہوا ہے

خطاؤں کو نظر انداز کرنا
رفاقت کا یہی اک راستہ ہے

خلیقؔ اب کیا سنائیں حال اپنا
سماعت پر یہاں تالا پڑا ہے

ڈاکٹر کرشن کمار پرجاپتی
Hotel SHubham.ShubhamLane
Oppo:Rourkela Railway
Station.Rourkela-769011
Odisha

ایک غزل

سارے رشتے، سارے بندھن توڑ کر
پیار ہے تو آؤ سب کو چھوڑ کر

جس نے کھائی ساتھ رہنے کی قسم
جا رہا ہے آج منہ وہ موڑ کر

گھر بکھر جانے کا رہتا ہے خیال
چل رہا ہوں ساتھ سب کا چھوڑ کر

کیوں سمجھتے ہو اسے مجبور تم
پی رہا ہے گھی وہ کمبل اوڑھ کر

جو تمہارے پیار میں پاگل ہوا
مر گیا وہ آدمی سر پھوڑ کر

آتما پرماتما سے مل گئی
ڈال دو مٹی کو مٹی کوڑ کر

تو بھلا انسان ہے تو اے کمارؔ
کام کر انسانیت کا دوڑ کر

گوشۂ نذیر فتح پوری

(حیات وخدمات)

نذیر نامہ

نام :نذیر ابراہیم جوڑ
قلمی نام :نذیر فتح پوری
پیدائش :یکم دسمبر ۱۹۴۶ء
مقام :فتح پور شیخاوٹی۔ضلع سیکر} راجستھان
تعلیم :درجہ پنجم۔اسلامیہ اسکول۔عیدگاہ۔فتح پور شیخاوٹی
ادب سے وابستگی :۱۹۶۵ کے آس پاس
پہلی تخلیق کی اشاعت:غزل۔ماہنامہ خاتونِ مشرق،دہلی
پہلے افسانہ کی اشاعت:ماہنامہ خاتونِ مشرق۔دہلی۔مطبوعہ ۱۹۷۰ء
پہلی کتاب :چٹانوں کے بیچ (ناول)
کل کتابوں کی تعداد :۱۰۳/
موضوعات :ناول،افسانے،افسانچے،شاعری،تاریخ وتذکرے، شخصیات،تحقیق وتنقید،خطوط ادبی مضامین،اداریے،تبصرے،ڈرامے،ادب اطفال،رسالہ اسباق کی ادارت،اسباق کا اجرا مئی ۱۹۸۱ء
انعامات :ساہتیہ اکاڈمی ایوارڈ (بچوں کے ادب ۲۰۱۷) حفیظ میرٹھی ایوارڈ۔ادبِ اسلامی مہاراشٹر،مخمور سعیدی ایوارڈ،راجستھان اردو اکاڈمی،قاضی عبدالودود ایوارڈ برائے تحقیق،بہار اردو اکاڈمی،جان کوی نعمت خاں ایوارڈ،فتح پور شیخاوٹی،مہاراشٹر اردو اکاڈمی،یوپی اردو اکاڈمی،بہار اردو اکاڈمی بنگال اردو اکاڈمی ایوارڈ۔
متعدد کتابیں بارے انعامات:عوامی محاذ پونے کی جانب سے کوی اٹل بہاری واجپئی ایوارڈ
فکروفن پر دو مقالے PHD کے لیے ایک مقالہ ایم فل کے لیے
فکروفن پر ۲۵/کتابیں شائع ہوئی ہیں۔
گوشے :سہ ماہی رنگ دھنباد،سہ ماہی اردو امراوتی،سہ ماہی سفیرِ اردو برطانیہ۔
راجستھان کے اردو نصاب: درجہ چہارم،درجہ ششم،درجہ دھم کی کتابوں میں نظمیں شامل ہیں۔متعدد مشاعروں میں شرکت اور سیمیناروں میں مقالہ خوانی،کویت کے عالمی مشاعرے میں شرکت
:اسباق پبلی کیشن پونے کے تحت اردو،ہندی،مراٹھی کتابوں کی اشاعت اور بہت کچھ

رابطہ :Mob-9822516338

سعید رحمانی

نذیر فتح پوری

(مختصر تعارف)

سہ ماہی ''اسباق'' کے مدیر نذیر فتح پوری صاحب ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔شعروادب، نقدو تحقیق، فکشن اورصحافت کے باب میں انھوں نے جو گرانقدر خدمات انجام دی ہیں وہ ہمیشہ تاریخ کا حصہ بنی رہیں گی ۔۱۹۵۶ء سے ان کا ادبی سفر جاری ہے۔ پہلی غزل ''خاتونِ مشرق'' دہلی کی زینت بنی تھی۔۱۹۷۰ء میں ان کا اولین افسانہ ''چٹانوں کے بیچ'' مذکورہ ہفت روزہ میں شائع ہوا تھا۔ان کے اولین ناول کا نام ہے ''چٹانوں کے بیچ۔جس کی اشاعت ۱۹۷۵ء میں ہوئی تھی۔۱۹۸۱ء میں انھوں نے اپنے سہ ماہی رسالہ ''اسباق'' کا اجرا کیا جسے ادبی حلقوں میں بے حد سراہا جا چکا ہے۔

مختلف موضوعات پران کی اب تک ۱۰۳ رکتابیں شائع ہو چکی ہیں۔کثیر الاشاعت مصنفین کے درمیان مناظر عاشق ہرگانوی کے ساتھ نذیر فتح پوری صاحب کا بھی شمار ہوتا ہے۔موصوف نے اردو زبان وادب کی اب تک جو گرانقدر خدمات انجام دی ہیں اس کے اعتراف میں انھیں بہت سارے اداروں نے ایوارڈ سے نوازا ہے جن کی تفصیلات ان کے تحریر کردہ اجمالی تعارف میں درج ہیں۔

بڑی بات یہ ہے کہ واجبی تعلیم کے باوجود انھوں نے اپنی تخلیقی بصیرت کا جو ثبوت فراہم کیا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بھی آج تک اس طرح کا کام انجام نہیں دے پائے ہیں۔

بہر حال میں آپ کا زیادہ وقت لینا نہیں چاہتا۔ان کا گوشہ آپ کے سامنے ہے۔مطالعہ فرمائیں اور اپنے گرانقدر تاثرات سے انھیں نوازیں

☆☆☆

نذیر فتح پوری

(توشیحی نظم۔بقلمِ خود)

ن۔نذیر کہہ کے نہ کہہ بے نظیر کتنا ہوں
مثال دے کہ میں روشن ضمیر کتنا ہوں
ذ۔ذہانتوں سے مرا واسطہ ہے روز و شب
میں علم وفن کے جہاں میں اسیر کتنا ہوں
ی۔ یہ بات میرے سوا کوئی جانتا ہی نہیں
تو شاہ کتنا ہے اور میں وزیر کتنا ہوں
ر۔ ریاضتوں میں بسر کی ہے زندگی میں نے
فقیر تن کا ہوں دل کا امیر کتنا ہوں
ف ۔فسانہ کون سنے گا مری محبت کا
میں رہ گزار وفا کا سفیر کتنا ہوں
ت ۔تو میری وضع فقیری پہ انگلیاں نہ اٹھا
بغیر دیکھے کہ دل کا امیر کتنا ہوں
ح ۔حقیقتوں کے جہانوں پہ کب نظر ٹھہری
میں اپنے خواب نگر میں اسیر کتنا ہوں
پ ۔ پرکھ سکیں نہ مجھے جوہری نگاہیں بھی
میں اونچی ذات کا ہیرا حقیر کتنا ہوں
و ۔ وہ تاج والا اگر ہے تو کیا خبر اس کو
میں کج کلاہی میں اپنی اسیر کتنا ہوں
ر ۔ رہِ حیات میں کتنی اذیتیں جھیلیں
میں صبر و شکر کا پیکر نذیر کتنا ہوں
ی ۔ یہ بات اہلِ نظر،اہلِ فکر جانتے ہیں
میں کتنا میر ہوں خود میں نذیر کتنا ہوں

نذیر فتح پوری
پونے

میں کیوں لکھتا ہوں؟

کبھی کبھی میرے ہی ذہن سے پھوٹ کر یہ سوال میرے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے کہ ''تم کیوں لکھتے ہو؟''۔ تب میں اپنے اندر بہت اندر کہیں اس سوال کا جواب تلاش کرتا ہوں تو مجھے جواب ملتا ہے کہ میں دنیا کو سمجھنے کے لیے لکھتا ہوں۔ لیکن میں خود اس جواب سے مطمئن نہیں ہوتا۔ پھر دوسرا جواب ملتا ہے کہ میں دنیا کو سمجھنے کے لیے لکھتا ہوں۔ لیکن یہ جواب بھی تسلی بخش نہیں ہوتا، پھر بھی جواب کی تلاش میں ڈوب جاتا ہوں تب مجھے اپنے یہ شعر سنائی دیتے ہیں۔

اک اک لفظ لکھا ہوا دے کے جاؤں گا
ہونے کا اپنے سب کو پتہ دے کے جاؤں گا
ڈھونڈا کرے گا مجھ کو مرے بعد ہر کوئی
آئندہ نسل کو یہ سزا دے کے جاؤں گا

لیکن اس شاعرانہ تعلّی اور طفلانہ خوش فہمی کو میں خود بھی پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ ہم فراموش کردہ تہذیب کے جس زوال پذیر دور میں جی رہے ہیں وہاں غالبؔ جیسے نابغہ کی قبر کا کتبہ محفوظ نہیں، خاقانی ہند استاد شاہ ابراہیم ذوقؔ جیسے جلیل القدر شاعر کی قبر پر بیت الخلا بنا دیے جاتے ہیں، میر تقی میر جیسے عہد ساز شاعر کی قبر جہاں ریل کی پٹریوں کے نیچے دبا دی جاتی ہے، ولی کے مزار کو جہاں فرقہ پرستی کے بلڈوزر سے پیوند خاک کر کے اس پر شارع عام بنا دی جاتی ہے۔ وہاں نذیر فتح پوری جیسے شاعر کو پیوند خاک ہونے کے بعد کون تلاشنے والا ہے۔ آئندہ نسل میں کون اس سزا کا سزاوار ہونے والا ہے۔ جیتے جی یار لوگ جس کے لیے ایک تابوت ہمہ وقت تیار رکھتے ہیں اور اس لمحے کی تلاش میں سرگرداں پھرتے ہیں کہ جب اس میں آخری کیل ٹھونکی جاتی ہے۔ پھر سوال اٹھتا ہے کہ ''میں کیوں لکھتا ہوں، کس لیے لکھتا ہوں؟ کچھ لوگ اپنے علم کے بکھان اور اس کی تشہیر کے لیے لکھتے ہیں۔ کچھ لوگ اپنی دولت اور نام کو نمایاں کرنے کے لیے لکھتے ہیں۔ میں ان چیزوں سے محفوظ ہوں، پھر میں کیوں لکھتا ہوں؟ کوئی عہدہ، کوئی منصب، کوئی کرسی، کوئی وظیفہ، کوئی پگڑی، کوئی نشانِ امتیاز، کیا حاصل کرنا چاہتا ہوں، مسرت کا کوئی لمحہ، راحت کی کوئی سانس، سرخوشی کی کوئی لہر، سرور کا جھونکا میرا حصولِ مدعا کیا ہے؟ کس طمع نے میرے ہاتھ میں قلم تھمایا ہے؟ غزل، آزاد غزل، نظم، گیت، دوہے، ماہیے، ناول، ڈرامے، افسانے، مضامین، اداریے۔ اتنے سارے صحراؤں میں بھٹکنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہاں مجھے پھر اپنا ایک شعر یاد آ رہا ہے۔

جب بھی تنہا ہوتا ہوں
کاغذ کالے کرتا ہوں

کاغذ کالے کرنا وقت کی بربادی کے سوا کیا ہے۔ یہ لکھنے اور مسلسل قلم گھسیٹنے کی لگاوٹ کس لیے ہے۔ کیا یہ سچائی کی پردہ پوشی کا ایک طریقہ ہے۔ کیا خود کو فریبِ مسلسل میں گرفتار رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ کیا یہ الفاظ کا زیاں ہے۔ مکالمے کا استحصال ہے۔ قلم و قرطاس کا ہرجانہ ہے۔ لوگوں کی سمع خراشی کا سبب ہے قارئین کی بصیرت اور بصارت پر حملہ ہے۔ کیا سب لکھاری اسی علت میں مبتلا ہیں۔ کیا سب یہی محسوس کر رہے ہیں جو میں محسوس کر رہا ہوں۔ کیا سب اسی دکھ کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جس دکھ کی دلدل میں میں دھنسا ہوا ہوں۔ سب لکھ رہے ہیں، میں بھی لکھ رہا ہوں۔ سبھی جگالی کر رہے ہیں۔ ماضی کا ہیولیٰ ہر قلم سے لپٹا ہوا ہے۔ روایت نے پاؤں میں زنجیر ڈال رکھی ہے۔ میں لکھا جا رہا ہوں، بے تکان لکھا جا رہا ہوں' بے لگام لکھا جا رہا ہوں۔ قلم کے سفر میں کوئی ایسا لمحہ نہیں ہے جسے ہم رفتار شکن کہہ سکتے ہیں۔ ادب رہنما اصولوں کا پاسدار کب رہا ہے۔ خدا نے جن برگزیدہ بندوں کو رہنمائی کا عصا دے کر پیدا کیا تھا، بے حد کوششوں کے بعد وہ بھی دنیا کو صراطِ مستقیم پر نہیں لا سکے۔ میں مایوس نہیں ہوں لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ ہم سب ایسے ماحول میں جی رہے ہیں جہاں..........

☆ اسم نویسی کے وقت لوگ اپنا نام اپنے ہاتھ سے پہلے نمبر پر تحریر کرتے ہیں۔

☆ جہاں وسعتِ فکر کے پروردگار تعصب اور تنگ نظری کا دفتر بغل میں دبایے پھرتے ہیں۔

☆ جہاں حق بات کہنے کی پاداش میں ہنستے ہنستے سولی چڑھ جانے کا دعویٰ کرنے والے فنکار تھوڑی طمع اور مقصد براری کے لیے حاکمِ وقت کے تلوے چاٹنے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔

☆ جہاں علم کے پہاڑ پر کھڑے لوگ جہالت کے ان جھرنوں کو نظر انداز کر دیتے

ہیں جوان کے قدموں کے نیچے سے بہہ رہے ہیں۔

مکھوٹے لگا کر آپ کب تک لوگوں کو فریب دیتے رہیں گے۔قول وفعل میں یہ تضاد کب تک چلے گا۔میں کیوں لکھتا ہوں ؟اس سوال کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔میں قلم کا خادم ہوں۔قلم جو لوح حق پر محفوظ ہے۔قلم جس نے سب سے پہلے اسم محمدؐ لکھا۔اس قلم کے نور کا عکس میرے اندر کہیں نہ کہیں موجود ہے،لیکن میری انگلیوں تک اس کا لمس ابھی تک نہیں پہنچا ہے۔جب یہ ممکن ہو جائے گا تب میں یقیناً اس سوال کا مدلل اور مفصل جواب آپ کے سامنے پیش کروں گا تب تک کے لیے معذرت کے ساتھ............

آپ کا نذیر فتح پوری
پونے

غزل

اپنے لہو سے اپنا چہرا دھو لے گا
بستی میں جو سچی باتیں بولے گا

قطرہ قطرہ جینا کوئی جینا ہے
خود کو کب تک تالابوں میں گھولے گا

طوفانوں سے لڑنے کی تیاری رکھ
دریا میں اک روز سفینہ ڈولے گا

برفیلے تودوں سے جھرنے پھوٹیں گے
سورج جس دم اپنی آنکھیں کھولے گا

اہلِ خرد سب حیرت میں پڑ جائیں گے
دیوانہ جب دیوانے کا ہو لے گا

کوئی رت تو ہوگی اپنے خوابوں کی
دل کی شاخ پہ کوئی پنچھی بولے گا

کب تک بے خوابی کا مارا یار نذیرؔ
نیند کے صحراؤں میں خواب ٹٹولے گا

☆☆☆

مطلع بند دوہا غزل

ریوڑ لے کر جب گیا ،چرواہا اس پار
ریت سے پھوٹی دودھ کی ،اجلی اجلی دھار

تم جو بچھڑے ساجنا، سونا ہے سنسار
سونی دل کی ہاٹ ہے ،سونا ہے بازار

دستک سن دہلیز پر جاگ پڑا بیمار
خواب ادھورے رہ گئے ٹوٹا نیند کا تار

کیسی کیسی سلوٹیں ،کیسا روپ سنگار
آئینے سے پوچھیے ،چہرے کا کردار

ہم پنچھی جس باغ کے،اس کے روپ ہزار
کیسے کیسے پھول ہیں ،کیسے کیسے خار

کیسی راحت دائمی ،کیسے نیند خمار
تیاگ دیا جب آپ نے ،سارا سکھ سنسار

سایہ جسم سے کاٹ کر جا پہنچی اس پار
میرے سر پر جب گری ،سورج کی تلوار

☆☆☆

حقانی القاسمی دہلی

تاریخی آثار وباقیات کی بازیافت کی ایک عمدہ کوشش

نذیر فتح پوری کی کتاب ''تاریخ وتذکرہ فتح پور شیخاواٹی'' اس اعتبار سے مختلف اور ممتاز ہے کہ یہ اس علاقے کی تاریخ ہے جو اپنے اندر اساطیر اور تاریخی آثار سموئے ہوئے ہے مگر جس کی تاریخی اہمیت اور تہذیبی حسیت کا ادراک عوام تو کجا خواص تک کو نہیں۔ایسی مثالی تاریخ لکھنا جس کے بارے میں وافر مواد مہیا نہ ہو، بہت مشکل کام ہے۔اس کے لئے بہت محنت اور جانفشانی کرنی پڑتی ہے۔نذیر فتح پوری نے بالآخر وہ مشکل معرکہ سر کرلیا، اور ایک ایسے علاقے کی تاریخ، تہذیب، اور معاشرت سے دنیا کو آگاہ کیا، جس کے بغیر ہندوستان کی تاریخ ادھوری ہے۔

راجستھان میں واقع فتح پور شیخاواٹی کا علاقہ تاریخی، ثقافتی لحاظ سے بہت زرخیز ہے اور اس علاقے کی ایک روشن یہذیبی روایت بھی ہے۔کتنے لوگوں کو یہ پتہ ہوگا کہ فتح پور شیخاواٹی وہ سرزمین ہے جہاں سے شہنشاہ اکبر کی بیگم تاج بی بی کا تعلق تھا، جہاں شہنشاہ بابر نے قیام کیا تھا اور جس سرزمین سے قائم راسا کے مصنف جانِ کوی نعمت خاں جیسے ودوان کا رشتہ ہے جو ہندو دھرم کے شاستروں، گرنتھوں کا گیانی تھا اور اسی فتح پور سے رام منوہر لوہیا کا بھی تعلق ہے جس نے ہندوستان کی سماجی، سیاسی تاریخ میں ایک نیا انقلاب بپا کیا۔دنیا کی نہایت بہادر قائم خانی قوم کے فرزند بہادر نے پانی اور جنگل سے بھرے ہوئے اس علاقے کو آباد کیا تھا۔اس کے بعد انہی کے خاندان کے مختلف نوابوں نے یہاں حکومت کی۔اس قائم خانی قوم کے ایک نواب فدن خاں بھی تھے، جن کی ہمایوں نے بھی عزت افزائی کی اور شہنشاہ اکبر نے ان کی بیٹی تاج سے شادی کرکے اپنا رشتہ اور مضبوط کرلیا۔یہ صاحب علم اور صاحب سیف فدن خاں چوہان وہ تھے جن کے بارے میں اکبر نے بیربل سے کہا تھا کہ اور لوگ تو میرے بنانے سے بڑے بنے ہیں، لیکن فدن خاں کو خدا نے بڑا بنایا ہے۔

فتح پور شیخاواٹی میں گو کہ قائم خانی نوابوں کی حکومت رہی مگر ان کے دورِ اقتدار میں مسجدیں کم مندریں زیادہ تعمیر ہوئیں۔نوابین نے اپنے قول وعمل سے سیکولرزم اور مذہبی تعصب کی وہ روشن مثال قائم کی ہے کہ تاریخ کے لیے ایک عبرت ہے۔وہ گفتار کے غازی نہیں بلکہ کردار کے غازی تھے جنہوں نے تمام مذاہب اور طبقات کا یکساں احترام کیا۔

کنوؤں اور حویلیوں کے شہر فتح پور شیخاواٹی پر شیخاوت خاندان نے ۲۱۶ رسال تک حکومت کی، یہ بھی غیر متعصب تھے اور عوام کے ساتھ ان کا منصفانہ، مساویانہ سلوک تھا۔

نذیر فتح پوری نے اس علاقہ کی سیاسی، سماجی، معاشرتی صورت حال کو پیش کرتے ہوئے وہاں کی ثقافتی، ادبی صورت حال پر بھی تنقیدی اور تحقیقی نظر ڈالی ہے فتح پور ادبی لحاظ سے بھی ایک زرخیز زمین ہے، جہاں فارسی، ہندی اور اردو کے شاعروں اور دوہا نگاروں کی کہکشاں آباد تھی۔اس تعلق سے نذیر فتح پوری نے حیرت انگیز انکشافات کیے ہیں۔جان کوی نعمت خاں اور تاج بی بی کے بارے میں جو معلومات بہم پہنچائی ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کوی نعمت خاں ہندی چھندوں کا ماہر، دوہوں کا مزاج داں ہی نہیں بلکہ اتنا خلاق اور درّاک تھا کہ آج ہندی کے دانشور بھی ان کی تخلیقی قوتوں کا اعتراف کرتے نہیں تھکتے۔انہوں نے قائم خاں راسا جیسی ایک ایسی کتاب تحریر کی جس پر تحقیق کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

شہنشاہ اکبر کی بیگم تاج بی بی کی تفصیلات تو نہیں ملتیں مگر نذیر فتح پوری نے محنت شاقہ کے بعد جو تفصیلات دی ہیں، وہ چونکانے والی ہیں۔تاج بی بی ہندی اور برج بھاشا میں کرشن بھگتی سلسلہ کی سب سے بلند مرتبت شاعرہ تھیں۔ان کی کتاب ''بیوی باندی کا جھگڑا'' مزاحیہ پیرائے میں لکھا گیا ہے مگر ایک شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔تاج بی بی کی نظمیں اور دوہے بہت مشہور ہیں اور حیرت کی بات یہ ہے کہ ولبھ سماج کے مندروں میں ان کی تخلیق ''ساڑھے بارہ دھماز'' لگائی جاتی ہے اور اس سے زیادہ اچنبھے کی بات یہ ہے کہ یہ مشہور دوہا بھی تاج بی بی کی ہی تخلیق ہے۔

کاگا چن سب کھائیو، چن چن کھائیو ماس
دو نیناں مت کھائیو، پیا دیکھن کی آس

نذیر فتح پوری نے اس علاقے کے زندہ، مرحوم اور مہمان شاعروں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔جن میں بعض عالمی سطح پر اپنی شناخت رکھتے ہیں۔آفتاب شیخاواٹی، نجم الدین فاروقی تو فارسی ہندی کے ممتاز صاحبِ سوز شاعر تھے۔جنہوں

نے دوہے میں اپنے کمال کا مظاہرہ کیا ہے۔ان کی درگاہ فتح پور میں مرجع خلائق ہے۔ایسے اور بھی شعراء ہیں جن سے اردو دنیا آگاہ تو نہیں مگر ان کی تخلیقات سے ان کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔فتح پور شیخاواٹی کے مہمان شاعروں میں مخمور سعیدی، شین.کاف نظام، ملکہ نسیم، فاروق انجینیر ،فراز حامدی معاصر شعری منظر نامہ کے انتہائی اہم نام ہیں۔

نذیر فتح پوری نے راجستھان کے فتح پور شیخاواٹی کی تاریخ لکھ کر ہمارے ارباب دانش کو بھی تاریخی آثار و باقیات کی بازیافت کے تئیں بیداری کا درس دیا ہے اور یہ احساس دلایا ہے کہ ہندوستان کے ایسے تمام علاقوں کی تاریخ مرتب کرنی چاہیے جن میں ہمارے تہذیبی نشانات اور یادیں ہیں۔

ہمارے ارباب علم اور تاریخ کو منتقائی تاریخ کی ترتیب و تشکیل کی طرف بھی توجہ مبذول کرنی چاہیے۔نذیر فتح پوری کی نظیر ہمارے سامنے ہے ۔اس نوع کی کتابیں مختلف منطقوں سے منظر عام پر آنی چاہئیں تب ہی ہندوستان کی تصویر مکمل ہوگی۔

☆☆☆

دوہا غزل

زہریلا احساس ہے ہم دونوں کے بیچ
یہ کیسا مدھو ماس ہے ہم دونوں کے بیچ
''ساون اندھے'' ہم نہیں، جانے پھر بھی کیوں
پھول نہیں ہے گھاس ہے ہم دونوں کے بیچ
اب آپس کے میل کی کوئی نہیں امید
صدیوں کا بن باس ہے ہم دونوں کے بیچ
ہم دونوں تہذیب کی دو انمول کتاب
پرکھوں کا اتہاس ہے ہم دونوں کے بیچ
جھرنے، تال تلیاں سب آنکھوں سے ہیں دور
کیسی اندھی پیاس ہے ہم دونوں کے بیچ
تیری میری آنکھوں میں ،سپنے لاکھ نذیر
بس یہ جیون آس ہے ہم دونوں کے بیچ

☆☆☆

غزل نما

آئینہ توڑ کے چہروں سے محبت نہ کرو
دوستو! ایسی حماقت نہ کرو
درد کی شاخ پہ بیٹھے رہو خوشبو کی طرح
کوئی بھی رت ہو بغاوت نہ کرو
سوچ لو، خار بھی تزئینِ چمن کرتے ہیں
صرف پھولوں سے محبت نہ کرو
بزدلی دوڑتی پھرتی ہے لہو میں جن کے
ان جوانوں کی قیادت نہ کرو
دل کے مذہب میں کہاں ہوتی ہے بحث و تمحیص
مسئلہ کوئی ہو حجت نہ کرو
ورنہ اک روز اسی بوجھ سے مر جاؤ گے
درد کو دل کی ضرورت نہ کرو
جو گزرتی ہے نذیرؔ اس کو گوارا کرلو
اب کسی بات پہ حیرت نہ کرو

☆☆☆

ڈاکٹر صابر آفاقی
آزاد کشمیر

نذیر کی تکونی

نذیر فتح پوری بڑی متحرک شخصیت کے مالک ہیں۔انہوں نے کئی اصناف سخن میں اپنا لوہا منوالیا ہے۔''اسباق'' کے نام سے ایک ادبی مجلّہ شائع کرتے ہیں۔اور اہلِ قلم کو سبق سکھلاتے ہیں۔ماہیا نگاری میں ان کی شہرت پونہ سے مظفر آباد پاکستان تک پہنچی ہوئی ہے۔اب انہوں نے ''تکونیاں'' کہہ کر تخلیق کاروں کو محوِ حیرت کر دیا ہے۔تکونی اس نام وخصوصیت سے نہ سہی مگر یہ تھی قدیم زمانے سے۔یہ نثر اور نظم دونوں میں نمونے ملتے ہیں۔میں اسے ادبی مقدمہ کہوں گا۔

ماضی بعید میں اہلِ قلم دو چیزوں یا وصفوں کا مناظرہ کرواتے تھے۔مثلاً جنگ وامن، قلم اور تلوار وغیرہ اسی کو آج تکونی کا نام دیا گیا ہے موجودہ صورت میں تکونی کو آئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے۔گوجری زبان میں تکونی کہنے کا تجربہ میں نے ۱۹۷۰ء میں کیا تھا،اردو میں یہ صنف غالباً بعد میں آئی۔

''تکونی میں دو چیزیں عدالت میں پہنچتی ہیں، دلائل پیش کرتی ہیں اور پھر منصف فیصلہ سناتا ہے۔''

نذیر نے شاعر کو منصف بنایا ہے۔مثلاً وہ آنکھ اور منظر کو شاعر کی عدالت میں پیش کرتے ہیں۔دونوں کے بیانات ودلائل سن کر شاعر جو منصف (جج) ہے اپنا فیصلہ سناتا ہے۔نذیر نے آدمی اور شیطان، قلم اور قرطاس، شاہ اور بھکاری، دن اور رات کے مابین مناظرہ کرواکے شاعر سے فیصلے کروائے ہیں۔نذیر کی زبان شستہ، دلائل قوی ومتین اور فیصلہ صائب ہے۔ان خصوصیات نے نذیر کی تکونیوں کو مؤثر بنادیا ہے۔جو شعراء تکونی کو ترقی دے رہے ہیں ان میں نذیر فتح پوری کا نام سرِ فہرست رہے گا۔

☆☆☆

آزاد غزل

اندرونِ روح کی حد سے نکل
اپنے مرقد سے نکل
منتظر کب تک رہیں لوح وقلم تیرے لیے
اے عروسِ شعر، ذہن وفکر کی حد سے نکل
ہو چکی ہیں خیر کی ہر سمت روشن مشعلیں
ظلمتوں کے سایۂ بد سے نکل
پتھروں کی بستیوں میں ٹوٹ جائے گی انا
نرم ونازک جذبۂ احساس کی حد سے نکل
اپنی ہستی کو اگر یکجا ہی کرنا ہے تو پھر
منتشر فکروں کی سرحد سے نکل
ڈھلتے سورج کی گلابی دھوپ کو آنکھوں سے پی
اے پرندا! آغوشِ برگد سے نکل
وقت کا سورج چمک اٹھا نذیرؔ
چن لے کرنوں کو پھر اپنے سایۂ قد سے نکل

☆☆☆

اشہد غزنوی ممبئی

ادب کا سبق پڑھانے والا ادیب

آج میرا قلم ایک ایسے شخص کے سلسلے میں کچھ لکھنے کی جرأت کر رہا ہے، جسے چند برسوں پہلے میں ایک عام سا آدمی سمجھتا تھا۔ اور جب دو ڈھائی سال پہلے میں پونہ کے ایک مشاعرے میں شرکت کے لیے گیا تو اس شخص نے انتہائی خاکسارانہ انداز میں دوپہر کے کھانے پر مجھے مدعو کیا۔ یہ دعوت انہوں نے مشاعرہ کی شب میں ہی دی تھی۔ لیکن دوسرے دن ایک دوسرے دوست کی ضد پر میں ان کے یہاں نہ جا کر دوسرے کے یہاں چلا گیا۔ جس کے لیے میں خود کو کبھی بھی معاف نہ کر سکوں۔ میرا قیام پونہ چنچوڑ میں میرے بڑے بھائی اقبال خان صاحب کے یہاں تھا جو پونہ کی ایک معروف شخصیت ہیں، وہ بھی دعوت میں مدعو تھے۔ لہٰذا میں نے دوسرے دوست کے یہاں کھانا کھایا جس کا صدمہ انہیں بہت ہوا جنہوں نے مجھے پہلے مدعو کیا تھا۔ دوسری بار پھر ایک مشاعرہ میں شرکت کی غرض سے پونہ جانا ہوا تو اس عظیم شخصیت نے مجھے پھر کھانے پر مدعو کیا، میں اور میرے بھائی اقبال خان صاحب بغیر کسی چوں چرا کے اپنے ایک دوست جو میزبان اور میرے مشترکہ دوست تھے انجینیر الیاس جوڈ کے ہمراہ ان کے گھر پہنچ گئے اور اس طرح ان کی شکایت اور بجا ناراضگی کا کسی حد تک ازالہ ہو گیا۔ لیکن سونے کے ورق میں لپٹی ہوئی اس شخصیت نے جس خلوص اور انکساری سے میری اور میرے بھائی کی خاطر تواضع کی میں ان کی اس شفقت پر پشیمان بھی ہوا اور خوش بھی کہ انہوں نے میری سابقہ غلطی پر مجھے معاف کر دیا تھا۔ ان کی قابلیت اور ادب پر ان کی گرفت کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب میں نے بہت گہرائی سے ''اسباق'' کے بیشتر شماروں کا مطالعہ کیا تب مجھے اس عظیم شخصیت کا گرویدہ ہونا پڑا جسے دنیائے ادب ڈاکٹر نذیر فتح پوری کے نام سے جانتی ہے۔

میری ناقص عقل ان کی شخصیت کے ہر پہلو کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے، پھر بھی کوشش کر رہا ہوں کہاں کے جن اوصاف کی رسائی میرے ذہن و دل تک ہوئی ہے اپنی تحریر کی شکل میں قارئین تک پہنچاؤں، جس کے بلاشبہ وہ حقدار ہیں۔ نذیر فتح پوری کی ذاتی زندگی ہر تصنع سے پاک اور ان کی تحریریں کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی محسوس ہوتی ہیں اور ان کی مسکراہٹوں کے درمیان گفتگو ان کی شخصیت کو مزید نکھار دیتی ہے۔ نذیر فتح پوری ایک ولی صفت انسان ہیں جسے محسوس تو کیا جا سکتا ہے مکمل بیان کرنا بس سے باہر ہے۔ ''اسباق'' کا ہر شمارہ پڑھ کر یوں لگتا ہے جیسے کسی نے علم کے بے کراں بحر کو دل و نگاہ کی گہرائیوں میں منجمد کر دیا ہو۔ پڑھتے اور سر دھنتے جائیے۔ ''اسباق'' کے ۳۳ ویں سال کا شمارہ جس میں کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کی ہر چھوٹی بڑی ادبی، ذاتی اور عوامی زندگی کے پہلوؤں کو آئینے کی طرح جس خوبصورتی سے پیش کیا ہے، میں اس کے لیے برادر عزیز ڈاکٹر نذیر فتح پوری کو آفرین کہتا ہوں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ اسباق بلاشبہ نیک نیتی اور اردو پرستی کے جذبے سے سرشار وہ رسالہ ہے۔ جس کا معیار ہندوستان کے کسی بھی رسالے سے کم نہیں اس کا سارا سہرا ڈاکٹر نذیر فتح پوری کے سر جاتا ہے۔

ڈاکٹر نذیر فتح پوری کی شخصیت پر شاید میرا یہ شعر کچھ حق ادا کر سکے۔

گوشہ نشینی میں اپنے جو زخم پہ مرہم ہیں
شہرت نام و نمود کی خاطر کرتے ہیں تشہیر کہاں

اللہ برادر عزیز ڈاکٹر نذیر فتح پوری کے حوصلوں اور قلم کو حوصلہ بخشے اور ہمیشہ ان کی کاوش ''اسباق'' کے مطالعہ کا شرف ہمیں حاصل ہوتا رہے۔........آمین

☆☆☆

مشاہیرِ علم وادب کے تاثرات

☆شمس الرحمٰن فاروقی

السلام علیکم!

جیسا کہ میں نے آپ کوفون پرعرض کیا تھا کہ ہاتھ کی تکلیف کی وجہ سے آپ کی قابلِ قدر کتاب نہیں پڑھ سکا اور نہ اس بارے میں کچھ لکھ کر بھیج سکا۔ایک دو دن ہوئے آپ کا پوسٹ کارڈ بھی ملا۔آپ کی توجہ اور محبت کا شکرگزار ہوں۔آپ کی کتاب ''تاریخ وتذکرہ شیخ پور شیخاوٹی'' بہت دلچسپ ہے۔اور یہ بات بھی قابل قدر ہے کہ آپ نے عام پیش پا افتادہ موضوعات کو چھوڑ کر ایک تاریخی وتحقیقی میدان میں قلم فرسائی کی اور سچ پوچھئے تو یہ کتاب صرف تاریخی نہیں بلکہ اس میں انسانیت اور سماجی تفصیلات بھی شامل ہیں جس نے اس کتاب کی دلچسپی میں اضافہ کر دیا ہے۔آپ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ شیخاوت حکمرانوں نے فتح پور شہر کو خوبصورت بنانے میں کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا،لیکن میں تو سمجھتا ہوں کہ فتح پور شیخاوت اور دوسرے شہروں میں کچھ خاص طرح کی تعمیر اور خاص طرح کی اینٹوں کا اہتمام کیا جاتا ہے،لیکن ممکن ہے ایسی عمارتیں آپ کے فتح پور میں نہ ہوں۔آپ کی تصویر سے معلوم ہوا کہ آپ کی داڑھی تقریباً سفید ہو چکی ہے۔حالاں کہ آپ مجھ سے کم از کم دس سال چھوٹے ہیں۔

آپ نے لکھا ہے کہ اس کتاب کی تیاری میں آپ نے ''قائم راسا'' سے استفادہ کیا ہے۔براہِ کرم فرمایئے کہ یہ کتاب چھپ چکی ہے؟

ہاں ادھر آپ کا رسالہ ''توازن'' نہیں ملا' کیا معاملہ ہے؟ ہاں ایک بات رہی جا رہی ہے۔آپ نے شیخاوٹی زبان کا ذکر کیا ہے۔راجستھان میں جتنی بولیاں بولی جاتی ہیں،ان کی تعداد شاید دس یا بارہ ہیں لیکن ان کی فہرست میں شیخاواٹی کا نام میں نے نہیں دیکھا۔کبھی فرصت ہو تو دو چار سطر میں لکھ بھیجئے گا کہ اس بولی کی تفصیلات کیا ہیں؟

نیازمند

شمس الرحمٰن فاروقی

(محترم فاروقی صاحب نے رسالہ توازن کا ذکر کیا ہے۔توازن نہیں رسالہ اسباق ہے جو نذیر فتح پوری کی ادارت میں ۱۹۸۱ء سے جاری ہے)

☆☆☆

☆پروفیسر نثار احمد فاروقی

کتاب شعری مجموعہ ''سفر تا سفر''

نذیر کی شاعری نہ مبہم ہے نہ سپاٹ ہے۔انہوں نے علامت کا خوشگوار استعمال کیا ہے۔اسے اپنے عجز بیان کا پردہ نہیں بنایا۔وہ اپنی دھرتی سے بھی رشتہ بنائے رکھتے ہیں۔گاؤں کی سوندھی مٹی کی باس ان کے شعروں میں بہت نمایاں ہے،زبان میں بھی آورد اور تکلف نہیں۔انہوں نے ہندی الفاظ بھی بے تکلف استعمال کئے ہیں،اس سے تجربے کی صداقت بڑی حد تک محفوظ رہتی ہے۔ان کی بحریں سادہ ہیں اور زمینیں سادہ تر،اکثر نئی زمینیں نکالی ہیں۔چھوٹی بحر میں اچھے اور تیکھے شعر کہنا آسان نہیں۔نذیر نے اس میں اکثر کامیابی حاصل کی ہے۔ان کی لفظیات کا ذخیرہ محدود ہے۔اسی طرح امیجری بھی ایک بہت بڑے کینوس پر پھیل گئی ہے اس لئے بظاہر یہ گمان ہوتا ہے کہ امیجری نہیں ہے یا ہے تو بہت کمزور ہے۔مگر ایسا نہیں،بات وہی ہے کہ انہوں نے اپنے کینوس کو زیادہ پھیلا دیا ہے۔

نذیر کی شاعری میں گھن گرج بھی نہیں۔یہ نرم لہجے کی شاعری ہے اور جس طرح میر کی شاعری کے بڑے حصے میں خود کلامی ملتی ہے اسی طرح نذیر اکثر خود کلامی میں مشغول ملتے ہیں۔مگر ان کے لہجے میں اعتماد ہے۔تھکن اور شکست خوردگی نہیں ہے،یہ اعتماد وہ ہے جو اعلیٰ اقدار پر یقین رکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔

جب عہدِ جدید کی شاعری اور اس کے غالب رجحانات کا ذکر ہو تو اس میں ''سفر تا سفر'' کو ایک خاص نسل اور خاص جغرافیائی علاقے کی نمائندگی کے طور پر پڑھا جانا چاہئے۔

☆☆پروفیسر اقبال گل

السلام آباد

کتاب:۔نذیر فتح پوری،''شاخ در شاخ''

مرتب:۔ڈاکٹر ترنم

☆نذیر اردو کا فرہاد ہے۔

☆نذیر ایک شخصیت نہیں ایک ادارہ ہے۔

☆اگر کسی نے زخم خوردہ شخص کو دیکھنا ہوتو نذیر کو دیکھ لے۔
☆نذیر اردو کے محسنوں کی ستائش میں اپنا دل کھول کر رکھ دیتا ہے۔
☆مسلمان ہونے کے سبب دشمنوں کو خاص طور پر اردو کے دشمنوں کو عام معافی دینے کا عادی ہے۔
☆وہ ادیبوں کے حوصلے بڑھاتا ہے۔
☆عہد حاضر نے نذیر کو اور نذیر نے موجودہ دور کو جو کچھ دیا ہے، مستقبل اس کو ہمیشہ یادر کھے گا۔
☆اردو ادب کی آبیاری کا کام آپ کو وقت نے نہیں بلکہ قدرت نے سونپا ہے۔
☆نذیر صاحب کی تحریر میں گرفتاور گیرائی کے علاوہ جو بات مسلسل متاثر کرتی ہے ،وہ ان کی انسان دوستی ،دوسروں کے دکھ درد میں شریک رہنا اور سہ موں کے کام کی پذیرائی۔
☆میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ مستقبل نذیر کو پوری عزت کے ساتھ یاد کرتا رہے گا۔
☆نذیر ہر چند اپنے دل کا مطلب استعارے میں چھپاتا ہے مگر عشق اور مشک کہاں چھپتے ہیں۔
☆نذیر سے ملاقات کرتے رہنا چاہئے ،وہ بہ نفسِ نفیس اپنے اداریوں میں موجود رہتا ہے۔

☆☆☆

☆ڈاکٹر کرامت علی کرامت

کتاب:۔غزل اندر غزل

بہر کیف مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ نذیر فتح پوری آزاد غزل کے تمام فنی اصولوں کی سختی سے پابندی کررہے ہیں۔ان کے یہاں کہیں بھی اس قسم کی فنی بے راہ روی نظر نہیں آتی جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ان کی بندشوں میں چستی ،زبان میں فصاحت ، بیان میں روانی نیز شعری آہنگ میں ایسی دلکشی پائی جاتی ہے جو آج کل پابند غزلوں میں بھی خال خال نظر آتی ہے
نذیر فتح پوری نے آزاد غزل کے فارم میں دعا اور نعت ہی نہیں بلکہ چند عمدہ آزاد غزلوں پر تضمین بھی کی ہے۔یہ ہمارے ادب کے لئے نیا تجربہ ہے۔اساتذہ کے یہاں تضمینوں کی بڑی اہمیت تھی ،نذیر فتح پوری نے آزاد غزل میں انہیں برت کر اسی روایت کو آگے بڑھایا ہے۔ان کا یہ تجربہ اس لئے مستحسن ہے کہ دوسرے لکھنے والوں کو اس سے یقیناً ترغیب ملے گی۔
میں سمجھتا ہوں کہ ’’غزل اندر غزل‘‘ آزاد غزلوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں پہلی بار آزاد غزل کے تمام فنی اصولوں کو ملحوظ خاطر رکھنے کی محتاط کوشش کی گئی ہے۔

(حوالہ::غزل اندر غزل........شاعر:نذیر فتح پوری)

☆ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی

کتاب:غزل اندر غزل

شاعری ہر عہد میں نئی ہیئتی اور معنوی سطح دریافت کرتی ہے۔بلکہ انکشافات اور دریافتوں کو تخلیقی سطح پر باہم مدغم کر کے ایک نئی صنف کی نمو کا بھی اہتمام کرتی ہے۔’’غزل اندر غزل‘‘ میں انفرادی سطح پر نذیر فتح پوری کی شعری صلاحیت زبردست تخلیقی اپج رکھتی ہے۔انہوں نے عصری صورت حال کو نئے اور وسیع تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔جن سے ہیئتی تجربے کی بنا پر ان کے شعری اظہار کے عمومی رنگ اور میلان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔شاعرانہ سرور اور جذباتی کیفیت جو بعض چیزوں ،بعض واقعات اور بعض اندرونی واردات کے زیر اثر پیدا ہوتی ہے۔اسے نئے سرے سے فن اور ہئیت کی مدد سے پیدا کرنے کی کامیاب کوشش نذیر فتح پوری نے کی ہے۔
جس طرح ایک ماہر علم کیمیا کسی پھول کی خوشبو کو بالکل معنوی اجزا سے تیار کرتا ہے۔اسی طرح خارجی و باطنی فطرت کے پیدا کیے ہوئے جذبۂ شعریت کو فطری عوامل کی مدد لیے بغیر بالکل نئے انداز سے نذیر فتح پوری نے دوبارہ پیدا کیا ہے۔ان کا یہ اندازِ شاعری کی ہمواری ،ناہمواری ، کیفیت ، امتداد شئے مطلوبہ کی ماہیت ،حاجت اور خواہش کے درجۂ شدت کی حالت پر منحصر ہوتا ہے۔
ایسی شاعری ایک مجرداپج ہے،ذہانت و بیدار مغزی کا مجسمہ ہے۔قوت ارادی کی پیداوار ہے اور تنقیدِ نفس کا اعلیٰ نمونہ ہے۔نذیر فتح پوری نے تصرفات اور اجتہادات سے کام لے کر پیش پا افتادہ اور ضائع شدہ مقبوضات کو دریافت کے عمل سے حاصل کیا ہے اور تہہ در تہہ معنی پہنایا ہے۔☆☆☆

☆مظہر امام

کتاب::پونے میں اردو افسانہ ایک تحقیق

نذیر فتح پوری اردو شعر و ادب کی ایسی شخصیت ہیں جن سے ایک بار ملنے کے بعد ہی ان کے ادبی اور علمی خلوص کا قائل ہونا پڑتا ہے۔میں انہیں ۱۹۷۸ء سے جانتا ہوں جب چند ماہ کے لیے میرا قیام پونا کے ’’فلم اینڈ ٹیلی ویژن انسٹی ٹیوٹ‘‘ میں تھا۔میں نے ہمیشہ انہیں اپنے آپ سے قریب محسوس کیا ہے۔وہ سرتاپا ادب ہیں اور پونے میں اردو زبان و ادب کی ترقی اور ترویج میں ان کی خدمات کبھی فراموش نہیں کی جاسکتیں۔ان کی تصنیفات اور تالیفات کی

ایک بڑی تعداد ہے۔

نذیر فتح پوری کی نئی کتاب ’پونے میں اردو افسانہ:ایک تحقیق‘‘(۱۹۲۳ء سے تا حال)ایک بالکل نئے موضوع کا احاطہ کرتی ہے اور مصنف کی دقتِ نظر اور صلابتِ فکری کی آئینہ دار ہے۔

☆ڈاکٹر رونق شہری‘جھاڑکھنڈ

کتاب:۔نذیر فتح پوری ریگستان سے نخلستان تک۔ڈاکٹر ترنم

معاملہ ایسا بھی ہے کہ شعرو ادب میں ایک لیجنڈ (Legend) بننے کے لیے ادب کی کسی ایک شاخ یا صنف سے وفاداری نبھانا شرطِ اولیں ہوا کرتی تھی لیکن آج ایسا نہیں ہے۔آج شاعری اور فکشن دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔آج اس مفروضے کو گلے لگانے کے لیے کوئی تیار نہیں ہے کہ پکا شاعر خام نثر لکھے گا۔یا نثر نگار وزن میں شعر نہیں کہے گا۔وزن کی بات آئی تو کہتا چلوں کہ شعریات کے باب میں ساری حدیں ٹوٹ چکی ہیں۔اس ضمن میں ہندی کی آزاد نظمیں پیشِ نظر رکھنا ہوں گی۔محولہ بالا اقتسابات درج کرنے کی غرض وغایت یہ ہے کہ نذیر فتح پوری نے اپنا تخلیقی سفر غیر مشروط طور پر طے کیا ہے۔ناول‘شاعری‘تنقید‘تذکرہ نگاری‘افسانہ نگاری‘ترجمہ نگاری‘سفر نامہ کے علاوہ اور بھی بہت کچھ انھوں نے لکھا ہے۔یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نذیر فتح پوری بحیثیت مجموعی آسمانِ ادب میں طلوع ہو کر کس سمت کی نشان دہی کر رہے ہیں۔’’بچو آؤ گیت سنائیں‘‘ کی معصومانہ فطرت کے غماز لمحوں کا سفر‘سفر در سفر کے لامتناہی سلسلوں کو جوڑتے ہوئے تیسرے سفر کی طرف فطری پیش قدمی اور پھر سفر مدام سفر کے بعد منزلِ منتہیٰ کا اشاریہ ان کے شعری سفر کی ایک نامکمل روداد کے طور پر ابھر کر سامنے آتے ہیں۔انہیں اتنی لمبی مسافت کے بعد تھک کر بیٹھ جانا چاہیے تھا،پھر خود کو دہرانے کی کیفیت سے گزرنا تھا۔لیکن انہوں نے اردو ادب کے قارئین کو ایک ایسے منظر نامے سے بھی روشناس کیا جسے ہم ’’تتلیوں بھرا آسمان‘‘ کہہ سکتے ہیں۔بادل کی خوشبو،تتلیوں کی سہرن،بچوں کی تتلی پکڑنے کی معصوم خواہش،نذیر فتح پوری کو جمالیات کا شاعر ثابت کرنے کے لیے کافی ہے ۔انہوں نے نعتِ رسولؐ میں بھی جذبے اور عقیدے کے مابین ایک خط امتیاز قائم کرتے ہوئے اپنی محتاط پسندی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔انہوں نے ماہیے کے سرمائے میں بھی قابلِ قدر اضافہ کیا،ساتھ ہی معدوم ہوتی ہوئی صنف مثنوی بہ عنوان ’’مثنوی بر جواب زہر خند‘‘ لکھ کر صحت مند روایت کے امین ہونے کا جواز فراہم کر دیا ہے۔

☆پروفیسر غازی علیم الدین
آزاد کشمیر

کتاب:اردو کا اثر راجستھانی بولیوں پر‘‘

ضلع سیکر‘راجستھان میں واقع فتح پور شیخاواٹی جناب نذیر فتح پوری کا مولد اور آبائی مسکن ہے۔اس اعتبار سے راجستھانی ان کی مادری زبان ٹھہرتی ہے۔فاضل مصنف نے راجستھانی بولیوں پر تحقیق کر کے اپنی مادری زبان سے وفا اور محبت کا حق ادا کیا ہے۔راجستھانی نظم ونثر میں جناب نذیر فتح پوری کی تخلیقات کا ایک معتد بہ ذخیرہ موجود ہے۔زیرِ بحث کتاب کا ایک باب ’’فتح پور شیخاواٹی کی راجستھانی شاعری میں اردو‘‘ بہت اہمیت کا حامل ہے۔اس شہر کی تاریخی اور ادبی پس منظر پر بحث کرنے کے بعد فاضل مصنف نے فتح پور شیخاواٹی میں بولی جانے والی راجستھانی شاعری پر اردو کے اثرات کا جائزہ لیا ہے۔مصنف کو یک گونہ افتخار بھی ہے کہ یہاں کے لوگ تیر وتلوار کے ساتھ ساتھ قلم وقرطاس میں بھی یکتائے روزگار رہیں۔فتح پور شیخاواٹی کی مقامی راجستھانی میں ہونے والی شاعری کے حوالے سے ایک خوبصورت لسانیاتی تقابل پیش کیا گیا ہے۔اس باب میں حوالے کے طور پر دیے گئے دوہوں،اشعار اور نظموں میں خوبصورتی کے ساتھ استعمال ہونے والے اردو الفاظ کی فہرست ملاحظہ کیجیے:: ساز،صبح وشام ،دارو،واقف،مرض،دیدار،مرضی،دلدار،عدو،عاجزی،دردر،صورت،مین میخ، لاش،بے ایمان،حویلی،محفل،خوزی،دیوانہ،جوانی،قلعہ اور بخشا وغیرہ۔فتح پور شیخاواٹی کے شاعر خواجہ نجم الدین نجم کے یہ چار مصرعے مثال کے طور پر پیش کیے جا رہے ہیں۔دلچسپ امر یہ ہے کہ ان مصرعوں کا نفسِ مضمون دیگر زبانوں میں بھی اسی ترتیب اور اسلوب سے ہمیں ملتا ہے۔

دارومت دے باورے،ارے اناڑی وید
تو ناواقف مرض کا،یہ تو اونڈا بھید
نجمہ چنگا ہو نہیں،بن دیکھے دیدار
دارو میرے مرض کی،بکھڑا ہے دلدار

اس نفسِ مضمون کے اولین خالق ہیں امیر خسرو(۱۲۵۳۔۱۳۲۵)

☆پروفیسر اسلم جمشید پوری (میرٹھ)

کتاب: اظہارِ خیال:: ''پونے سے رانچی کا سفر'' نذیر فتح پوری

مصنف ۱۸؍فروری کو پونہ سے آزاد ہند ایکسپریس سے محوِ سفر ہیں ۔مصنف کی شخصیت سفر پر طاری اور حاوی ہونا شروع کر دیتی ہے۔آزاد ہند ایکسپریس میں یہ میرا تیسرا سفر ہے۔اس سے پہلے شیگاؤں (مہاراشٹر) کے ایک سیمنار میں اقبالیات پر مضمون پڑھنے کے لیے مجھے مدعو کیا گیا تھا۔تب پونہ سے ڈاکٹر محبوب راہی میرے ساتھ تھے۔اور ایک بار اکولہ ہی میں کسی پروگرام میں شرکت کے لئے بھی اسی گاڑی سے آیا تھا۔اور آج تیسری بار پھر اسی گاڑی سے سفر کر رہا ہوں،اپنے آپ کو سبھاش چندر بوس کی آزاد ہند فوج کا سپاہی محسوس کر رہا ہوں۔(پونے سے رانچی کا سفر۔ص نمبر ۱۵)

مجھے کہنے کی ضرورت نہیں کہ اقتباس سے نذیر فتح پوری کے بڑے اسکالر ہونے کا علم قاری کو ہو جاتا ہے ۔لیکن اقتباس کے اختتام پر آزاد ہند ایکسپریس میں سفر کرتے ہوئے خود کو سبھاش چندر بوس کا سپاہی تصور کرنا حب الوطنی کا ثبوت پیش کرتا ہے۔یہی نہیں بلکہ قاری کے اندر بھی سبھاش چندر بوس کو زندہ کر دیتا ہے۔آزاد ہند فوج اور اس عہد کا منظر نامہ ذہن میں در آتا ہے۔یہ سفر ناموں کی وہی خوبی ہے جس کے تحت تاریخ ،سفر نامے کا حصہ بنتی ہے۔''پونے سے رانچی کا سفر'' میں مصنف نے متعدد جگہ منظر کو جب وسیع پس منظر عطا کئے ہیں تو تاریخ ہمارے روبرو آجاتی ہے۔آزاد ہند فوج کا ذکر، وسیع پس منظر ہمارے سامنے لا دیتا ہے جہاں تاریخ ہمیں آئینہ دکھاتی ہے۔

☆سلیم انصاری جبل پور

کتاب:: ''دیوانِ نذیر فتح پوری''

نذیر فتح پوری کی بے لوث اور بے ریا ادبی خدمات کا اعتراف نہ کرنا یقینی طور پر بدترین ادبی بددیانتی ہی سمجھا جائے گا۔تین دہائیوں سے بھی زائد عرصہ پر محیط سہ ماہی ''اسباق'' کی ادارت اور اس کی مسلسل اشاعت نذیر فتح پوری نے اپنی انتھک کوشش اور محنت سے ''اسباق'' کو برصغیر کے اہم رسائل کی صف میں روشن کر دیا ہے۔میرے خیال میں موجودہ عہد میں اردو رسائل پر ہونے والی کوئی بھی گفتگو ''اسباق'' کے ذکر کے بغیر ادھوری ہی رہے گی۔

نذیر فتح پوری نے شاعری کے علاوہ نثر میں بھی قابلِ ذکر کام کیا ہے۔اور کئی کتابیں بھی تخلیق کی ہیں۔تمام تر ادبی سازشوں اور ادبی بدگمانیوں کے باوجود نذیر فتح پوری نے نہ صرف ''اسباق'' کی مثبت روایتوں اور اس کے صحت مند مزاج کو برقرار رکھنے میں کامیابی حاصل کی ہے بلکہ اپنی شاعری اور نثری کاموں کو بھی تسلسل سے جاری رکھا ہے۔جس کے لیے وہ یقینی طور پر قابلِ مبارک باد ہیں۔

زیرِ نظر کتاب ''دیوان'' کی اشاعت پر نیک خواہشات کے ساتھ یہ امید اور دعا بھی کہ ان کا شعری سفر دیر تک جاری رہے اور اسباق نئی بلندیوں سے ہم کنار ہو۔

☆☆☆

☆پروین شیر امریکہ

کتاب:: ''کورونا وائرس'' بائیس کہانیاں

جب سے یہ دنیا بنی ہے،پہلی بار اس زمین پر ہر انسان ایک ہی مصیبت کی زنجیر میں جکڑا ہوا ہے جیسے اتنی بڑی دنیا ایک چھوٹا سا گاؤں ہو۔ایسی صورت حال کی گہرائیوں کی غواصی اکثر ایک فنکار کے قلم کے محرک ہونے میں معاون ہوتی ہے۔

نذیر فتح پوری نے انسانی زندگی کے پہلے ہولناک تجربات کو اپنی کہانیوں میں قلم بند کر کے اردو ادب میں بہت اہم تاریخی اضافہ کیا ہے۔ان کی کہانیوں میں دور حاضر کی تمام حشر سامانیاں موجود ہیں۔ان کے علاوہ مثبت پہلو بھی سامنے آئے ہیں۔کہانی ''بیٹی کا خط ماں کے نام'' یہ سچ سامنے لاتی ہے کہ زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے جب انسان کے اندر چھپا ہوا انسان سب دیواروں کو توڑ کر باہر آجاتا ہے۔انسانیت آنکھیں کھولتی ہے اور آگہی کا دروازہ وا ہو جاتا ہے۔

کورونا وائرس کی کہانیاں مہلک وبا کی زد میں آئی ہوئی حیران و پریشان دنیا کی روداد سناتی ہے۔بہت پر اثر انتساب ان کے نام ہے،جنھیں کورونا نے نگل لیا اور وہ اپنوں کو آنسو بہانے کے لئے چھوڑ گئے۔دل میں اتر جانے والی کہانیاں اس کڑے وقت کی یادگار تخلیقات ہیں۔

☆☆☆

☆معین الدین عثمانی جلگاؤں

کتاب: ”نذیر فتح پوری کی یادوں کا تحریری محل“

مصنف: پروفیسر خالد حسین خاں

اس وقت میرے پیش نظر جناب خالد حسین خاں کی تصنیف کردہ تازہ ترین کتاب ”بیتے کل کا ایک ایک پل“ نذیر فتح پوری کی یادوں کا تحریر محل ہے۔

اگر یوں کہا جائے کہ یہ کتاب طویل ترین مضمون کی شکل میں ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ عموماً روایت یہ رہی ہے کہ کسی بھی کتاب کو موضوعات کی مناسبت سے ابواب میں تقسیم کیا جاتا ہے مگر یہاں اس تقسیم سے معلوم نہیں کیوں پرہیز کیا گیا ہے۔ جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے کہ یہ نذیر فتح پوری صاحب کی کتاب ”بیتے کل کا اک اک پل“ سے متعلق تحریر ہے جس میں نذیر فتح پوری کی شخصیت کے ساتھ فن پر بھی گفتگو ہے۔ مگر یہاں پر بھی المیہ یہ ہے کہ کبھی شخصیت کا پہلو حاوی ہے تو کبھی متعلقہ کتاب کا۔ اس بنا پر ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ عنوان کے ساتھ زیادتی تو نہیں ہوگی۔ اس کے ساتھ چند غیر متعلقہ چیزیں بھی غیر محسوس طریقے سے در آئی ہیں جن کے تذکرے کے بغیر بھی کتاب کی اہمیت قایم رہ سکتی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پروفیسر خالد حسین نے اسے بڑی محنت سے رقم کیا ہے۔ انکی علمی ادبی صلاحیتوں کا کتاب کی ہر سطر سے اظہار ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنی گفتگو کو تاریخی سوانحات اور دیگر شعراء کی خود نوشتیں اور چند غیر ضروری متنازعہ خطوط سے پاک اور صرف نذیر فتح پوری کی کتاب ”بیتے کل کا ایک اک پل“ (جسے مکمل سوانح نہیں کہا جا سکتا کیونکہ خود نوشت سوانح کے کچھ آداب ہوتے ہیں) تک ہی محدود رکھتے تو مناسب تھا۔ ہاں حوالوں کے طور پر اختصار کے ساتھ تذکروں کی گنجائش ہوسکتی تھی مگر مجھے لگتا ہے کہ تفصیل میں جانے سے ”بیتے کل کا اک اک پل“ کی حق تلفی سی لگتی ہے۔

بہر کیف کتاب کا مطالعاتی وصف ہی اس کی ایک ایسی خوبی ہے جس نے متذکرہ کمیوں کے احساس کو ماند کر دیا ہے۔ پروفیسر خالد حسین خاں نے جس زبان کا استعمال کیا ہے گرچہ ان دنوں اس کا چلن کم ہے مگر زبان و بیان کے شیدائیوں کے لئے یہ کسی طرح کے تحفے سے کم نہیں۔ بطور مثال یہ سطور ملاحظہ فرمائیں۔

گزرا ہوا زمانہ خواہ وہ تلخ ہو یا شیریں، کرب کا ہو یا طرب کا، حاکمیت کا ہو یا محکومیت کا ہمیشہ آدمی کے شعور میں ابھرتا رہتا ہے۔ جن کے پاس الفاظ ہوتے ہیں، زبان ہوتی ہے، قلم ہوتا ہے اور پر کشش طرز اظہار بھی تو وہ ان یادوں، باتوں، خیالوں اور خوابوں کو ماضی کے اندھیرے سے نکال کر صفحۂ قرطاس پر سجا دیتے ہیں۔ آخر میں ایک بات جو یقین سے کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ ۱۱۲ رصفحات پر پھیلی ہوئی پروفیسر خالد حسین خاں کی یہ کاوش ان کی تحریری سیرت کے ہمراہ نذیر فتح پوری کی گزری حیات کا سرنامہ کہلانے کی حقدار ضرور ہوگی۔ جس کا مطالعہ شائقین زبان و ادب کا لازمہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

☆ڈاکٹر عظیم راہی اورنگ آباد

نذیر فتح پوری اور اسباق

نذیر فتح پوری کو یہ معلوم ہے کہ رسالہ اپنی جیتی جاگتی اولاد کی طرح نہیں ہوتا ہے جو پروان چڑھ کر کبھی مستقبل کی لاٹھی نہیں بنتا۔ یہ تو صرف رسالہ ہے جو کبھی جوان ہوتا ہی نہیں۔ اس لئے خود کفیل بھی نہیں ہوتا اور اپنے مالک کے دکھ درد دور نہیں کرسکتا۔ اسی لیے نذیر صاحب فرماتے ہیں۔

ہر سطر میں ہے لہو میرے جگر کا شامل
ایسا گل رنگ کہیں تم نے نوشتہ دیکھا

اردو کے اس فرہاد کا یہ عجیب دیوانہ پن ہے جو اب ان کا عزم راسخ بن چکا ہے۔ اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی کا ایک حصہ اپنے خاندان کی پرورش کے ساتھ اپنے اس بچے یعنی رسالہ کی کفالت میں تا عمر لگاتے رہیں گے۔ اس احساس کے باوجود کہ یہ کبھی جوان نہیں ہوگا۔ اس بات پر وہ دل برداشتہ نہیں ہوتے، بلکہ کہتے ہیں۔

میں سیکڑوں شکست کے زہراب پی گیا
تب جا کے ایک فتح مبیں دی گئی مجھے

اردو کے اس کسمپرسی کے دور میں ”اسباق“ کی پابندی سے مسلسل اشاعت واقعی فتح مبیں کی حیثیت رکھتی ہے۔

(حوالہ:: کتاب ”طرز بیاں اپنا“ ....ڈاکٹر عظیم راہی..ص نمبر ۱۸)

☆ادھو مہاجن بسمل پونے

نذیر فتح پوری اور ادب اطفال

ادب کی ہر صنف پر نذیر فتح پوری نے طبع آزمائی کی ہے۔ ادب اطفال کے لئے بھی انہوں نے کم نہیں لکھا ہے۔ دو ناول، دو شعری مجموعے اور

تین کہانیوں کی کتاب لکھے ہیں ۔ایک کہانیوں کی کتاب ''میرا دیش مہان'' پر ۲۰۱۷ء میں ان کو ساہتیہ اکاڈمی ایوارڈ بھی مل چکا ہے ۔جب پشاور (پاکستان) شہر میں اسکول پر دہشت گردانہ حملہ ہوا تو نذیر صاحب نے ''پشاور کی سترہ کہانیاں '' کے عنوان سے کتاب شائع کی ۔بچوں پر کتابوں کے بڑھتے ہوئے بوجھ کی سمت متوجہ کرنے کے لیے انہوں نے ''چھوٹا بچہ چھوٹی کتاب'' عنوان کہانیوں کی ایک کتاب شائع کی ۔ادب اطفال کے موضوع پر شائع کردہ ان کی تمام کتابوں پر اہلِ فکر و نظر نے سیر حاصل تبصرے کیے ۔جن میں جگن ناتھ آزاد، جوگیندر پال اور نقش لائلپوری جیسے اساتذۂ سخن کے نام شامل ہیں

''نذیر فتح پوری اور ادب اطفال'' عنوان سے ڈاکٹر حسن آزاد، کوٹہ راجستھان نے کتاب مرتب کر کے شائع کی ۔پونہ سے ڈاکٹر طاہرہ شیخ نے ''ادب اطفال اور نذیر فتح پوری'' عنوان سے ایک کتاب شائع کی ۔مہاراشٹر اردو اکاڈمی نے ان کی شعری تصنیف ''بچوں کی نظموں'' پر انعام سے نوازا۔نذیر فتح پوری اردو کے حوالے سے پونہ کے پہلے ادیب ہیں جن کو ساہتیہ اکاڈمی کا ایوارڈ تفویض کیا گیا۔آج مگر جب وہ عمر کی ۷۶ ویں منزل پر ہیں اور ہر طرح کے موضوع پر لکھ رہے ہیں، ہم ان کی صحت کے لیے دعا گو ہیں۔

☆☆☆

☆معین الدین عثمانی.....جلگاؤں

نذیر فتح پوری کا افسانہ ''تیسرے کونے کا متمکن...اشاعت ''آج کل''

''تیسرے کونے کا متمکن'' یہ نذیر فتح پوری کے بیانیہ انداز کا ایک مشترکہ خاندان کی کہانی بیان کرنے والا افسانہ ہے ۔افسانے میں کہیں کوئی علامت ہے نا ہی کوئی استعارہ ہے سوائے عنوان کے ۔عنوان علامتی ہونے کے سبب کہانی کی دل چسپی بڑھ گئی ہے ۔کہانی نہایت سریع انداز میں آگے بڑھ کر اپنے اختتام کو پہنچ جاتی ہے ۔اس لئے ترسیل میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے

دراصل موجودہ دور انفرادی خاندان کے طرز پر جینے کو ترجیح دیتے ہوئے آگے بڑھ رہا ہے ۔دونوں طرزِ حیات کے اپنے فائدے اور نقصانات ہیں ۔مگر ایک بات ضرور ہے کہ نسلِ نو بہت ساری اخلاقی اقدار سے محروم ہو کر مادہ پرستی کی طرف مائل ہو رہی ہے ۔افرادِ خانہ کے لیے ہی جب قربانی کا جذبہ مفقود ہو جائے تو معاشرے کی بنیاد کو کھوکھلی ہونے سے کون بچا سکتا ہے ۔انسان اور جانور کا فرق مٹنے لگا ہے ۔اپنے لئے جینا تو سبھی کو آتا ہے، اوروں کے لئے مر مٹ جانے کی روش تو جیسے ناپید ہو چکی ہے ۔اسی اعلیٰ قدر کا پیغام دینے والی یہ کہانی ہے۔

کہانی فنی لوازمات کے اعتبار سے مکمل ضرور ہے مگر موضوعاتی سطح پر قارئین کو پرانے دور کی سیر کرانے کے بعد بھولے ہوئے سبق کی یاد دلاتی ہے کہ ۔

''لوٹ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو''

بہر حال نذیر صاحب کو کہانی کے توسط سے درد بھری داستان خوش اسلوبی سے بیان کرنے پر مبارک باد

☆☆☆

☆رشید انصاری.......حیدرآباد

ہندی ناول ''ڈھلی ڈھلی شام کا اجالا''...مترجم:::نذیر فتح پوری

''ڈھلی ڈھلی شام کا اجالا'' نامی ناول جب ہم کو محترمی نذیر فتح پوری کی کرم فرمائی سے ملا تو کتاب کے دیدہ زیب و دلکش سرورق نے سب سے پہلے ہماری توجہ مبذول کرائی، یوں تو کسی اور زبان کے ترجمہ شدہ ناول پڑھنے سے ہمیں کوئی خاص دلچسپی کبھی نہیں رہی لیکن نفیس عمدہ کاغذ پر کتاب کی بہترین طباعت نے ہمیں کتاب پر ایک سرسری نظر ڈالنے پر مجبور کر دیا۔سرسری نظر ڈالنے کے لئے جو صفحہ ہم نے کھولا وہ کسی اسپتال کا منظر نامہ تھا۔بدقسمتی سے اسپتالوں میں مختلف مواقع پر ہم نے خاصا وقت گزارا ہے، چنانچہ اسپتال کے جس منظر کو ہم نے پڑھا وہ خاصا حقیقی محسوس ہوا اور کتاب جلد پڑھنے کا محرک ہوا ۔دوسری زبانوں کے علمی و ادبی خزانوں کا اپنی زبان میں ترجمہ کر کے اپنی زبان کے علمی و ادبی خزانہ میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔قابل مبارک باد ہیں نذیر فتح پوری صاحب کہ موصوف نے ایک بڑے اچھے ہندی ناول کا اردو میں ترجمہ کیا۔اور اس خوبی اور مہارت سے کیا کہ ترجمہ کا حق ادا کر دیا۔ترجمہ کی یہ خوبی کہ ''ترجمہ ترجمہ معلوم نہ ہو'' اپنے ترجمے میں سمو دی ہے۔کہیں کہیں ہندی الفاظ کا استعمال اس امر کا پتہ دیتا ہے کہ شاید تحریر ترجمہ ہے ورنہ کتاب کی زبان انتہائی شستہ اور اسلوب دلکش ہے، ترجمہ کا بوجھل پن کہیں محسوس نہیں ہوتا۔

نذیر فتح پوری صاحب نے ہندی کی معروف و ممتاز ادیبہ پربھا ماتھر کے جس ناول کا ترجمہ کیا ہے وہ بذات خود ایک اچھا ناول ہے۔

☆☆☆

نذیر فتح پوری کی شعری کائنات

دعا

مسافتوں کے تصور سے ہے ملال مجھے
سفر مدام سفر ہے ذرا سنبھال مجھے
مرے حواس کو لوٹا دے پھر توانائی
کہ بوڑھے لگنے لگے ہیں یہ ماہ وسال مجھے
میں روشنی کا طلب گار ہوں مرے مولا
اندھیرے غار سے باہر ذرا نکال مجھے
قبولیت کی حدیں میری راہ تکتی ہیں
دعا کے ہاتھ سے اوپر ذرا اچھال مجھے
ابھی تو بوجھ ہے کاندھوں پہ میرے ہستی کا
ابھی تو کرنی ہے بچوں کی دیکھ بھال مجھے
میں خود کو سونپنا چاہوں گا تیری دنیا کو
کسی خلوص کسی آشتی میں ڈھال مجھے
مدافعت کا کوئی حوصلہ عطا کردے
جکڑ نہ لے کہیں حالات کا یہ جال مجھے
جو کچھ بچی ہے وہ یادِ خدا میں کٹ جائے
نذیرؔ آنے لگا ہے یہی خیال مجھے

☆☆☆

نعتِ نبی

وجود اس کا کمالِ رحمت
ہے شخصیت لازوال رحمت
جواب اس کا کہاں سے لائیں
ہے جس کا ہر اک سوال رحمت
معافیاں دشمنوں کو دی ہیں
ہے کون ایسا کمال رحمت
ہے اس سے نسبت خدا سے نسبت
ہے ان سے ملنا وصال رحمت
ہے شان ، شانِ کریمی اس کی
ہے اس کا جاہ و جلال رحمت
میں اس کے جلووں میں کھو گیا ہوں
ہیں اس کے جلوے جمال رحمت
مثال اس کی نہ ڈھونڈیے گا
ہے خود میں جو بے مثال رحمت
نذیرؔ میرے قلم کی کاوش
ہے سب کا سب یہ کمال رحمت

☆☆☆

ترانہ بروزن رباعی

نفرت سے جلے اور بھنے بیٹھے ہیں
اے سادگی ،ہشیار گزر بستی سے
کچھ لوگ اندھیرے میں چھپے بیٹھے ہیں

☆

دکھ درد کی دنیا میں رہا کرتے ہیں
ہوتے ہیں بڑے حوصلے والے یہ لوگ
حالات کے جو وار سہا کرتے ہیں

☆

شیطان ہے ، ملعون ہے اب بستی میں
انسان کا دستور سبھی ختم ہوا
چوپاؤں کا قانون ہے اب بستی میں

☆

ہم نیند کے ماروں کو جگاتے کیوں ہو
جو خواب مقدر میں نہیں ہے اپنے
ہم ایسوں کو وہ خواب دکھاتے کیوں ہو

☆

دشمن کے مقابل میں اے اڑنے والو
کام آئے گا بس حوصلہ میداں میں
ٹوٹی ہوئی تلوار سے لڑنے والو

☆☆☆

کہہ مکرنیاں

ہونٹوں پر جب یہ بس جایے
اور بھی حسن کی شان بڑھایے
رنگ بھری اس کی مسکان
اے سکھی لالی
نا سکھی پان

☆

باغوں کی یہ شان بڑھایے
زلفوں زلفوں اڑتا جایے
اس کا اپنا ایک اصول
اے سکھی بھنورا
نا سکھی پھول

☆

راتوں میں یہ آیے اکثر
آنکھوں کو چمکایے اکثر
سب سے انوکھی اس کی تاب
اے سکھی نندیا
نا سکھی خواب

☆

سب کو اس کا ہونا بھایے
خود چمکے اور ے جگ چمکایے
اس کے آگے سب کچھ ماند
اے سکھی جگنو
نا سکھی چاند

☆☆☆

گیت
بول رے مچھلی کتنا پانی

پہلے دنیا کے دکھ جھیلو
پھر اپنے ہی درد سے کھیلو
دھیرے دھیرے غم سے پگھلو
ہولے ہولے تڑپو مچلو
یاد کرو پھر ٹیس پرانی
تب بنتی ہے پریم کہانی
بول رے مچھلی کتنا پانی

☆

بادل ٹوٹ کے ایسا برسا
دھرتی کا ہر حصہ ڈوبا
جن جیون کا حوصلہ ٹوٹا
ہاتھ سے ہاتھ سبھی کا چھوٹا
ماجھی بوڑھا ناؤ پرانی
تب بنتی ہے پریم کہانی
بول رے مچھل کتنا پانی

☆

بھیڑ میں ایک اکیلی سجنی
درد کی چادر اوڑھ کے نکلی
فکر و فن کی جوت جگائی
تب جا کر یہ منزل پائی
ایک ہو راجا، ایک ہو رانی
تب بنتی ہے پریم کہانی
بول رے مچھلی کتنا پانی

کروٹ کتنی بدلی ہو گی
نیندیں کتنی ٹوٹی ہو گی
سکھ کی سانسیں روٹھی ہوں گی
کتنی سوچیں الجھی ہوں گی
کتنا درد اٹھایا ہوگا
تب ساجن کو پایا ہوگا
یہ ہے پریت کی ریت پرانی
تب بنتی ہے پریم کہانی
بول رے مچھلی کتنا پانی

☆☆☆

غالب کی غزل پر تضمین

احساس کیسا دل پہ یہ، کیسا اثر ہے آج
ویرانیوں کا خوف ہے، کانٹوں کا ڈر ہے آج
اک ایک شاخِ دل پہ خزاں کی نظر ہے آج
گلشن میں بندوبست بہ رنگِ دگر ہے آج
قمری کا طوق حلقۂ بیرونِ در ہے آج
اتنا نہ خود نمائی کا کر اہتمام چل
صبح نہ چل سکے گا تو پھر وقتِ شام چل
چل اے جنوں پسند ذرا تیز گام چل
اے عاقبت کنارہ کر، اے انتظام چل
سیلاب گریہ در پئے دیوار و در ہے آج
شعلوں میں اپنے آپ کے جھلسا بدن تمام
دل کی تپش سے خاک ہوا پیرہن تمام
جل جل کے خاک ہو گیا صحنِ چمن تمام
کرتی ہے عاجزی سفرِ سوختن تمام
خشکی ہے پیرہن میں غبارِ شرر ہے آج
یہ کون منتظر ہے یہ کس کا ہے انتظار
یہ کون کس کے ہجر میں رہتا ہے اشکبار
رقصاں ہیں دل میں کیسی تمناؤں کے شرار
ہوں داغِ نیم رنگ میں شامِ وصالِ یار
نورِ چراغِ جوش سے، جوشِ سحر آج

☆☆☆

اندیشۂ فردا

میں کہاں تک چلوں
میں کہاں تک اجالا کروں
ہر طرف تیرگی
ہر طرف ہیں اندھیروں کی پرچھائیاں
ہر طرف ہیں اندھے احساس کی کھائیاں
ہر طرف ہاتھ کے لمس سے ہاتھ محروم ہے
ہر طرف اندھے سورج کی داداگری
ہر طرف ہے ستاروں کی بے چارگی
ہر طرف چاند کی کسمساتی ہوئی روشنی
ہر طرف جگنوؤں کی سسکتی ہوئی زندگی
ہر طرف ہے چراغوں سے اٹھتا دھواں
ہر طرف ظلمتوں کے سپاہی ہیں
خیمے لگائے ہوئے
آنکھ کی روشنی، ذہن کا نور، دل کا چراغ
دھیرے دھیرے بجھے جارہے ہیں سبھی
سلسلہ یوں اندھیروں کا چلتا رہا
ایک دن ایسا بھی آجائے گا
آدمی اپنی پرچھائیوں سے بچھڑ جائے گا

☆☆☆

خواہشِ ناتمام

یہ کتابیں مرا سرمایہ ہیں
ان کتابوں کے سوا کچھ بھی نہیں میرے پاس
میرے خوابوں کی یہ جنت
میرا احساس بھی ہے
جو کچھ بھی ہیں یہ کتابیں مری میراث بھی ہیں
حرف جاگیر مری، لفظ خزانہ میرا
زندہ رہنے کا یہی ایک بہانا میرا
یہ غزل جس میں مرے زخموں کی رودادیں ہیں
اور یہ گیت مرے درد کی فریادیں ہیں
اب یہ فریاد، فغاں، درد، کراہیں آنسو
یہ سلگتے ہوئے زخموں کی لویں یہ جگنو
اور یہ مملکتِ فکر و تخیل یہ دماغ
یہ بلکتے ہوئے جذبے یہ تڑپتے ہوئے خواب
اب یہ میراث سنبھالی نہیں جاتی مجھ سے
ہے کوئی مجھ سے جو لے جائے کتابیں میری
اور بن جائے محافظ مرے سرمایے کا

☆☆☆

گیت

بارود پہ بیٹھی ہے
میرے زمانے کی
یہ فاختہ کیسی ہے

☆

تم آئے تو یوں آئے
گھر میں اندھیروں کے
اک چاند اٹھا لائے

☆

دھرتی کی دعا بن جا
سوکھے میں جل تھل کر
ساون کی گھٹا بن جا

☆

احساس جگا دیں گے
آئینے ایسے ہیں
اک روگ لگا دیں گے

☆

اب اور کدھر جائیں
تجھ سے بچھڑ کر تو
دل کہتا ہے مر جائیں

☆

یہ روپ کی مٹی ہے
گوندھ غزل کوئی
کس بات کی دیری ہے

☆☆☆

بچوں کے لیے ایک گیت

اردو زباں ہماری

ہراک زباں سے پیاری
اردو زباں ہماری
ہے پھول کا تبسم، بلبل کا ہے تکلم
بھنورے کی گنگناہٹ، کلیوں کی مسکراہٹ
ہے خوشبوؤں کی کیاری
اردو زباں ہماری
روشن ہے چاند جیسی، سورج سی اس کی ہستی
تاروں کی جگمگاہٹ، جگنو سی چمچماہٹ
ہے سب کی یہ دلاری
اردو زباں ہماری
غزلوں کی جان ہے یہ، نظموں کی آن ہے یہ
گیتوں کی ہے یہ مالا، دوہوں کا یہ خزانہ
ہے شان اس کی پیاری
اردو زباں ہماری
شیدائی ہے مسلماں، ہندو بھی اس پہ قرباں
مذہب کا بانکپن ہے، یہ خود میں انجمن ہے
اس کی ادا ہے پیاری
اردو زباں ہماری
عاشق ہے یہ وطن کی، شیدائی ہے چمن کی
سرحد پہ گیت اس کے، فوجی ہیں میت اس کے
ہے دشمنوں پہ بھاری
اردو زباں ہماری
آؤ نذیرؔ ہم سب، اس سے کریں محبت
اس کو وقار دیں گے، دل کش بہار دیں گے
ہے ہم کو جاں سے پیاری
اردو زباں ہماری

☆☆☆

اردو میں پہلی بار توشیحی دوہے

اردو کے نام

ا۔ اردو کی تعریف میں دوہوں کا یہ ہار
توشیحی انداز میں گوندھا پہلی بار
ر۔ رحمت سے رحمٰن کی، جب پایا وشواس
اردو کی توصیف میں لکھا گیا اتہاس
د۔ دشمن اس کے نام کو جتنا چاہے مٹائے
اتنی ہی سنسار میں سب کے من کو بھائے
و۔ وحشت کے ماحول میں یہ ساتھی بن جائے
کتنوں کی تنہائی میں اس نے پھول کھلائے
ک۔ کشتی ہر انداز میں آگے بڑھتی جائے
تخلیقی احساس کی موجوں سے ٹکرائے
ے۔ یہ غزلوں کی شان ہے دوہوں کا سنگھار
گیتوں کی ہے آبرو اس کے رنگ ہزار
ن۔ نفرت کے اندھیر میں پیار کی جوت جگائے
اردو ہی عشاق کی دل دھڑکن بن جائے
ا ۔ اس کا اپنا ناز ہے اپنا ہے انداز
اس کا اپنا آسماں اپنی ہے پرواز
م۔ میرؔ وغالبؔ دے گئے اس کو جتنے روپ
آج تلک موجود یہ ان رُوپوں کی دھوپ

☆☆☆

غزل

جتنے روشن ہیں سارے مرے ساتھ ہیں
چاند، سورج ،ستارے مرے ساتھ ہیں
ہر ورق پر ہیں روشن مری کاوشیں
سارے ادبی شمارے مرے ساتھ ہیں
زخم ڈھلتے ہیں میرے ہی اشعار میں
درد کے استعارے مرے ساتھ ہیں
تم فسانوں میں الجھے رہے ،دوستو
سب حقیقت کے مارے مرے ساتھ ہیں
حکمرانی ہے میری چمن پہ نذیر
پھول، تتلی نظارے مرے ساتھ ہیں

☆☆☆

غزل

یہ بتاؤ! کس جہاں کے ہم نہیں
کیا جہاں کے تھے وہاں کے ہم نہیں
ہم تو ہیں تاریخ کے زندہ نشاں
بھولی بسری داستاں کے ہم نہیں
ہم نے سینچا تھا لہو سے کل جسے
آج کیوں اس گلستاں کے ہم نہیں
کل تلک دیتے تھے جس پر جان ہم
آج اسی اردو زباں کے ہم نہیں
ہم کہیں کہ ہے ہمارا یہ وطن
تم کہو! ہندوستاں کے ہم نہیں
کل تلک کی رہبری جس کی نذیر
آج کیوں اس کارواں کے ہم نہیں

☆☆☆

غزل

چراغ ہم نے لہو کے جلائے تھے کیا کیا
فسادِ ذہن نے سب کچھ جلا کے خاک کیا
کھلی جو مٹھی تو سب گر گرا کے ٹوٹ گئے
یہ اور بات کہ ہم سے مسافرت نہ ہوئی
خزاں کے ایک ہی جھونکے نے کر دیے پامال
نذیر نظم زدوں کے سخن کی بستی میں

اندھیرے فکر ونظر کے مٹائے تھے کیا کیا
گھروں کے ہم نے بھی نقشے بنائے تھے کیا کیا
ہتھیلیوں میں مقدر چھپائے تھے کیا کیا
ستارے راہ میں اس نے بچھائے تھے کیا کیا
گلاب صحن میں ہم نے لگائے تھے کیا کیا
چراغ ہم نے غزل کے جلائے تھے کیا کیا

☆☆☆

اردو کی پہلی آزاد تضمین

چبھن کی لذت سہار لیتے
گلوں کے بدلے میں خار لیتے
سکھوں کی خواہش کے نرم سائے جو صحنِ دل میں اتار لیتے
دکھوں کا موسم گزار لیتے
تو ہم مقدر سنوار لیتے

نہ کوئی سایہ ادھار لیتے
نہ سائباں مستعار لیتے
نہ سر پہ احسانِ جادۂ سایہ دار لیتے
مزہ تو جب تھا کہ اپنے جسموں کی چھاؤں ہی کو سہار لیتے
سلگتی دھوپوں کے رہ نوردو! ذرا تھکن ہی اتار لیتے

گلوں کے شیدا، کلی کلی کی چبھن کے والی
مہکتے موسم کے پاسباں کیا؟ چہکتی ہر انجمن کے والی
روش روش پر کھلی بہاروں کے ہر نئے بانکپن کے والی
جو بس میں ہوتا تو دن دہاڑے چمن کے والی
ہری بھری رت کے پیرہن تک اتار لیتے

نذیرؔ کی ہر خوشی کو اک سائباں بنا کر
غموں کے سورج کی دھوپ کھا کر
رگوں سے اپنا لہو بہا کر
عتیق بے چہرگی کا غازہ گلال کی شکل میں اڑا کر
کمال تھا یہ کہ اپنا چہرہ نکھار لیتے

☆☆☆

تکونی

کتاب اور قاری

قاری کتاب سے

اے کتابِ زندگی! اے تلخیوں کی داستاں
ہر ورق پر تیرے درد و غم ہی کی تحریر ہے
ہر سطر میں درج ہے تیری لہو کے ذائقے
تیرا ہر اک لفظ جیسے جنگ کی تصویر ہے
قید کر رکھی ہے تو نے آدمی کی ہر خوشی
حرف تیرے بے بسی کی جیسے اک زنجیر ہے

تیرے دامن میں نہیں ہے کچھ بھی تلخی کے سوا
آدمی تیرے سبق کو پڑھتے پڑھتے تھک گیا

کتاب قاری سے

اے مرے قاری! مرے محسن، رفیق و ہم سفر
کس لئے نالاں ہے مجھ سے کس لئے برہم ہے تو
وسعتِ نظری سے پڑھ کر دیکھ تو مجھ کو کبھی
ہر سطر میں میری لکھی ہے وفا کی گفتگو
خواب، نغمے، رنگ، تتلی، پھول، خوشبو، چاندنی
کون سا ہے رنگ جو مجھ میں نہیں ہے ہو بہو

ہر ورق تو آئینے کی جیسا ہے لکھا ہوا
جس نظر سے جو پڑھے گا مجھ کو ویسا پائے گا

شاعر

گفتگو دونوں کی سن کر میرا دل کہنے لگا
کچھ تو قاری کی شکایت میں ہے سچائی چھپی
ہے مزین کتنے ہی رنگوں سے اس کا ہر ورق
اپنے حق میں سچ ہی کہتی ہے کتابِ زندگی
مختلف ہیں پھر بھی اس کے رنگ اس کے زاویے
اک طرف ہے تیرگی تو اک طرف ہے روشنی

ساتھ ہی میں سکھ اور دکھ کا نام ہے لکھا ہوا
جس کی جو تقدیر میں ہے، اس کو وہ مل جائے گا

فن وشخصیت

سید خادم رسول عینیؔ
C\O,S.K.Rasul.
D-4,MaheshwariTower
RoadNo-1,BanjaraHills
Hyderabad-500034(T.S)

علامہ قدسی اور آپ کے تلامذہ

سلسلۂ سخن حضرت امیر مینائی کے مشہور ومعروف استاد شاعر حضرت علامہ سید اولادِ رسول قدسیؔ ایک شاعرِ فطرت ہیں کیونکہ آپ کی طبیعت میں حساسیت ہے اور موزوں طبع بھی ہیں۔ کچھ شعرا ایسے ہیں جنہیں علم عروض کا ادراک نہیں۔لیکن چونکہ خوش الحان نعت خواں بھی ہیں،اس لئے ترنم کے ذریعہ موزوں اشعار کہنے پر عبور رکھتے ہیں۔لیکن علامہ قدسیؔ ترنم سے کبھی نہیں پڑھتے۔اس کے باوجود بچپن سے ان کا موزوں شعر کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی طبیعت میں ایسی موزونیت ہے۔ اگر چہ آپ نے علم عروض استاد اور کتاب سے سیکھا ہے لیکن اگر آپ یہ نہ کرتے تب بھی ہم پورے وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے اشعار غیر موزوں نہیں ہو سکتے۔آپ کے موزوں طبع ہونے کے ہم خود شاہد ہیں۔جب آپ اسکول کی آٹھویں جماعت میں متعلم تھے تو کسی شخص کے کارناموں کو شعر کی صورت ڈھالتے ہوئے آپ نے کہا تھا۔

جس کا ہنستا ہوا چہرہ ہے،اور روتا ہوا دل ہے
تم ہی بتاؤ قدسی،اس کے دل میں کیا کھل ہے

یہ شعر آپ کی زندگی کا پہلا شعر ہے۔اس وقت آپ کی عمر تیرہ سال کی تھی۔شعر میں ردیف بھی ہے اور قافیہ بھی ہے،شعر موزوں بھی ہے اور معنی خیز بھی۔ شعر میں صنعت تضاد بھی ہے اور صنعت تجنیس زائد بھی۔شعرا سے کہتے ہیں جو دل پر اثر کرے۔اس شعر کو سننے کے بعد وہ شخص جس کے لیے شعر کہا گیا تھا اس پر یہ شعر اس قدر اثر کر گیا کہ وہ راہِ فرار اختیار کر گیا۔بہر حال علامہ سید اولاد رسول کو تخلص "قدسیؔ" ان کے والد گرامی مفتیٔ اعظم اڑیسہ حضرت علامہ سید شاہ عبد القدوس علیہ رحمہ نے عنایت فرمایا تھا۔کہتے ہیں کہ نام کا بہت اثر ہوتا ہے۔یہ حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوا۔فارسی زبان کے مشہور نعت گو شعراء میں سے ایک عظیم نام حضرت قدسی کا بھی ہے،جنہوں نے کہا تھا۔

مرحبا سید مکّی مدنی العربی ۔دل وجاں بادفدایت چہ عجب خوش لقبی
سیدی انتَ حبیبی وطبیب قلبی ۔آمدہ سوی تو قدسی،بے درماں طلبی

اور اس تخلص کا اثر دیکھیں کہ آج اردو ادب کی دنیا میں علامہ سید اولاد رسول قدسی کا نام بحیثیت نعت گو شاعر پورے عالم میں مثل آفتاب چمک رہا ہے۔ علامہ قدسی صاحب دو دواوین شاعر ہیں۔آپ نے نعت صرف صنف غزل میں نہیں کہی،بلکہ نظم کی صورت بھی کہی۔قصیدہ کے طور پر بھی نعتیہ اشعار کہے۔نعتیہ رباعیات اور نعتیہ قطعات کی بہتات بھی آپ کی کتابوں کی زینت ہیں۔آپ نے دوہے اور ہائیکو میں بھی بے شمار نعتیہ اشعار کہے اور ان تمام اصناف میں آپ نے نعت کے مجموعے اور دو دواوین شائع کئے۔آپ کے چند شعری مجموعوں کے نام یوں ہیں۔

گل ولالہ،گلہائے قدسی،انوارِ قدسی،لوح محفوظ،فکر تسلسل،سیرت سرورِ دوجہاں،خدا،خدا سے نہ جدا،لب ولہجہ،قلب وجگر،لحظہ لحظہ،تر و تازہ،لمحہ لمحہ،رفتہ رفتہ،سوغاتِ وفا،کعبے کا کعبہ دیکھو وغیرہ

جناب سعید رحمانی مدیر اعلیٰ ادبی محاذ اپنے مقالے میں رقم طراز ہیں"یہ کہنا مشکل ہے کہ قدسی غزل کے شاعر ہیں یا نعت کے شاعر"لیکن ہمارا اپنا مشاہدہ ہے کہ آپ بیک وقت نعت اور غزل دونوں پر طبع آزمائی کرتے ہیں۔ہم نے بچپن میں کئی بار یہ دیکھا ہے کہ صبح سے لے کر دو بجے تک آپ نے چار نعتیں کہیں اور پھر شام سے رات گیارہ بجے تک آپ نے چار غزلیں کہہ ڈالیں۔اس سے آپ کی زود گوئی ثابت ہوتی ہے۔لیکن زود گو ہونے کے ساتھ ساتھ آپ خوب گو بھی ہیں۔آپ نے کبھی شعریت کے دامن کو چاک ہونے نہیں دیا۔مفتیٔ اعظم اڈیشا علیہ الرحمۃ کی ہدایت کے مطابق آپ نے حدائقِ بخشش کا گہرا مطالعہ فرمایا اور نعت گوئی کی درست رہنمائی آپ کو حدائقِ بخشش سے ملی۔جیسا کہ آپ نے شعر کی صورت کہا۔

قدسی،ہوں اس رضا کے درِ پاک کا گدا
سیکھی ہے جس نے نعت خدا کی کتاب سے

☆

رضا کے فیض وکرم سے کلامِ قدسی میں
بلند و بالا خیالات دیکھتے رہیے

گویا باطنی طور پر نعت گوئی میں علامہ قدسی کے استاد سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ ہیں۔

خطیبِ مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمۃ والد گرامی مفتیٔ اعظم اڈیشا علیہ الرحمۃ کے تلمیذ ارشد تھے اور آپ ایک نکتہ رس شاعر بھی تھے۔ آپ کی غزلیں اور نعتیں اکثر ماہنامہ "پاسبان" میں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ علامہ قدسی نے اپنے نعتیہ کلام پر سب سے پہلے اصلاح علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمۃ سے لی تھی۔ علامہ قدسی اپنے ایک مقالے میں یوں رقم طراز ہیں۔

"علامہ مشتاق احمد نظامی نے بڑی خندہ پیشانی سے میرے اشعار ملاحظہ فرمائے، مناسب اصلاح کی اور مفید مشوروں کے ساتھ خوب خوب حوصلہ افزائی کی۔ ان کی نظر عنایت اور دعائے مستجاب سے میرے خیالات کو پر لگ گئے۔ اس دن سے آج تک میں بلندی کی طرف مائلِ پرواز ہوں الحمدللہ"۔

علامہ قدسی کے نعتیہ کلام میں کئی عناصر ہیں۔ جیسے مدح نبیؐ، توصیف محبوبان نبیؐ، ہجوئے دشمنانِ نبیؐ، تبلیغ سیرت رسولؐ، نذرانۂ عقیدت بہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ، تلمیحات و اقتباسات، اصلاحِ عقائد، تحفظ عقائد، اصلاح معاشرہ وغیرہ۔

علامہ قدسی کی غزلوں میں بھی اصلاح معاشرہ کے عنوانات ہوتے ہیں۔ آپ کی غزلیہ شاعری میں مقصدیت ہوتی ہے۔ آپ کے غزلیہ اشعار میں لب ورخسار، حسن وعشق غیر حقیقی یا عشق وطرب کے عنوانات نہیں ہوتے، بلکہ آپ کی غزلیں مقصدیت، تصوف، روحانیت کے بحرِ بے کراں ہیں۔

علامہ قدسی صرف شاعر نہیں بلکہ شاعر گر بھی ہیں۔ آپ جہاں بھی مقیم رہے وہاں نعت گو شعراء کی ایک بڑی جماعت تیار کی۔ حضرت علامہ انیس عالم سیوانی اپنے مقالے میں رقم طراز ہیں "علامہ قدسی کی یہ خوبی ہے کہ وہ جہاں بھی رہتے ہیں فکر وآگہی کا چراغ جلائے رہتے ہیں۔ آپ طالب علمی کے دور میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں مشاعرے منعقد کرتے، جس میں سو سے زائد شعراء ہوتے۔ اور ان مشاعروں پر آل انڈیا مشاعروں کا گمان ہوتا۔ آج جامعہ کے طلبہ شعر وسخن کے میدان میں اپنے وجود کا احساس دلاتے ہیں جو علامہ قدسی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

علامہ قدسی جب ممبئی میں مقیم تھے تو وہاں بھی آپ نے بزمِ نعتیہ ادب قائم کی۔ ہر ماہ کُرلا کی مسجد میں ماہانہ طرحی مشاعرہ رکھتے رہے۔ اور میدانِ شعر وسخن میں بیسوں شعراء کی ادبی رہنمائی فرماتے رہے۔

جب آپ امریکہ تشریف لے گئے۔ سوشل میڈیا کے ترقی ہوتے ہی آپ نے بیرون ملک میں رہنے کے باوجود ہندوستان کے شعراء کی ادبی تشنگی بجھانے لگے۔ "بزمِ شعر وادب" اور "درسگاہِ قدسی" کے ذریعہ بیسوں شعراء کی ادبی رہنمائی فرمائی اور اپنی لاجواب اصلاحات پر مبنی کتاب "نمرِ عمیق" بھی شائع فرمائی۔

قدسی کے چند منتخب اشعار نذر قارئین ہیں۔ نعت کے اشعار۔

قدسی محبوب مجھے اپنا وطن ہے لیکن ۔ اس سے پیاری ہے محمدؐ کے وطن کی خوشبو

ان کے لب سے جو الفاظ مس ہو گئے ۔ قدسی پر مغز ان کے مطالب رہے

سیلابِ درد وغم میں لیے نامِ مصطفیٰؐ ۔ قدسی میں بحرِ فیض کا تیراک ہو گیا

انا ہو فنا، قدسی، بحرِ فنا میں ۔ نہیں محض تفریح عشقِ رسالت

سرنگوں ہو گئے عالم کے محاسن قدسی ۔ رب نے یوں ان میں کیا نورِ ملاحت آباد

اب غزلوں کے اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

قدسی عرصے سے سر تھا کھلا حرف کا ۔ ایک چھوٹا سا نقطہ ردا دے گیا

خود کو بے عیب ثابت نہ تم کر سکے ۔ گنتے رہتے ہو کیوں پھر ہزاروں میں عیب

اس کا رہبر ہے نفس امارہ ۔ گرتے گرتے سنبھل رہا ہے سانپ

اخوت کی شمعیں ہوں ہر سمت روشن ۔ بشر کاش سمجھے بشر کی طبیعت

دور سے ذرۂ ناچیز نظر آتا تھا ۔ قدسی نزدیک سے وہ ایک ہمالہ نکلا

علامہ قدسی کے قلم کی پذیرائی صرف ہم اور آپ نہیں کر رہے ہیں بلکہ آپ کے زورِ سخن کی تعرہف وتوصیف میں ملک وبیرون ملک کے بیسوں ادباء ونقادوں نے اپنا قلم اٹھایا ہے اور اپنے خیالات سپرد قرطاس کئے ہیں مثلاً "عنوان چشتی، علی سردار جعفری، شمس الرحمٰن فاروقی، یوسف ناظم، ڈاکٹر کرامت علی کرامت، ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی، حقانی القاسمی، سعید رحمانی، امجد رضا امجد، سید آلِ رسول نظمیؔ، سید اشرف مارہروی، نشتر فاروقی، ڈاکٹر خاور چودھری، ڈاکٹر توفیق انصاری، ڈاکٹر مشاہد حسین رضوی، سید خادم رسول عینی، ڈاکٹر مجید اللہ قادری، زکریا شیخ اشرفی، ڈاکٹر سلیم اللہ جندران، امان خاں دل، تنویر پھول (امریکہ) مظہر امام، علقمہ شبلی، کالی داس گپتا رضا، افتخار امام صدیقی، مخمور سعیدی، یوسف جمال، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری، قمر الحسن بستویؔ، سید آصف دسنوی، سید نفیس دسنوی، رئیس احمد زئی، ڈاکٹر صبیح الدین رحمانی، انور بھدرکی، علامہ بدر القادری، ایم نصر اللہ نصر، وصیل خان، شمیم طارق، علامہ یٰسین اختر مصباحی، ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی، سید عطا محی الدین جیبی، ڈاکٹر حفیظ اللہ نیولپوری، ڈاکٹر مفتی محمد اکرم، سید اویس مصطفیٰ بلگرامی، سید گلزار میاں واسطی، ڈاکٹر طلحہ رضوی برق، شمس الھدیٰ مصباحی، خاور نقیب، حاذق ضیائی، ندیم صدیقیؔ، سراج احمد قادری، محبوب گوہر، صابر حسن شاہ بخاری، خاور حسن چودھری، ڈاکٹر عباس متقی، ڈاکٹر فرحت حسین خوشدل، عبدالمالک مصباحی، انیس عالم سیوانی، ملک الظفر سہسرامی، رفیق وارث مصباحی وغیرہ۔

پچھلے دو تین سال سے علامہ قدسی واٹس ایپ گروپ کے ذریعہ شعرائے ہند کی آن لائن تربیت فرما رہے ہیں۔ علامہ قدسی نے سرسری طور پر کسی بھی شاعر کے کلام پر نظر نہیں ڈالی بلکہ باقاعدہ اشعار میں خامی کو بتاتے ہوئے ترمیم بھی فرمائی تاکہ شعراء کو فنی باریکی سے آشنائی بھی ہو جائے اور ان کے کلام معتبر ومستند ہونے کے ساتھ ساتھ لائقِ نشر واشاعت بھی ہو جائیں۔

پچپن ویں مشاعرے کی تکمیل پر ۱۱؍مئی ۲۰۲۳ء کو آپ نے ایک آن

لائن تقریب میں بیس شعراء کو سلسلہ شعرو سخن حضرت امیر مینائی میں داخل کرتے ہوئے سند فارغ الاصلاح سے نوازا۔ جن شعراء کو آپ نے سند فارغ الاصلاح عطا کی ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

جناب سید خادم رسول عینی صاحب، جناب عمران مظہر برکاتی صاحب، جناب رفیق وارث مصباحی صاحب، جناب طاہر القادری کلیم فیضی صاحب، جناب جانِ عالم پرسنڈوی صاحب، جناب قمر الزماں امجدی صاحب، جناب شبیر سحر اورنگ آبادی، جناب علاؤالدین امن رضوی صاحب، جناب فیصل القادری بلرام پوری، جناب عامر رضا مشاہدی صاحب، جناب افروز رضا نور نا گپوری صاحب، جناب قیام رضا حشمتی صاحب، جناب امین برکاتی صاحب، جناب ندیم کلکتوی قدوسی صاحب، جناب تنویر مبارک پوری صاحب، جناب مزمل رضا جاذب صاحب، جناب جاوید وارثی صاحب، جناب یاسین مصطفائی صاحب' جناب عبداللہ امامی صاحب اور جناب امیر حمزہ نظامی صاحب۔

اسناد عطا فرمانے کے بعد علامہ قدسی نے خطبہ صدارت ارشاد فرمایا۔ اس خطابت کا اقتباس یوں ہے۔

''جہاں قرآن مقدس میں لاابالی اور شتر بے مہار کی طرح تخیلات میں سرگرداں رہنے والے شعراء کی مذمت ملتی ہے، وہیں حدیث پاک میں ''من ''تبعیضیہ کے ساتھ انّ من الشعر حکمۃ، یعنی'' بعض شعر حکمت ہوا کرتے ہیں'' بھی موجود ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر شریعت مطہرہ کا پاس رکھتے ہوئے اور احتیاط کا دامن تھامے ہوئے شاعری کی جائے تو پھر ایسی شاعری یقیناً استحسان سے متصف ہوتی ہے۔ اور اگر نعتیہ شاعری ہو تو پھر یہ نہ صرف مستحسن کہلائے گی، بلکہ عبادت میں اس کا شمار ہونے لگے گا۔ یہی سبب ہے کہ صحابہ کرام جن کی ذاتِ مقدسہ تمام امت کے لیے مقتدا کی حیثیت رکھتی ہے، ان کی کہی ہوئی نعتیں آج بھی احادیث کی کتابوں میں جلوہ طراز ہیں، مزید برآں ان کی نعتوں کو سن کر ممدوحِ خلاقِ کائنات ﷺ متبسم ہوتے اور انہیں نوازشات سے سرفراز فرماتے۔ اس سلسلے میں ''احیاء العلوم'' میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت کردہ حدیث بطور استشہاد پیش کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتی ہیں ''کان اصحاب رسول اللہ ﷺ یتناشدون عنده الاشعار وہو یتبسم ''۔ یعنی حضرات صحابہ اکرامؓ سرورِ عالم ﷺ کی بارگاہ گہر بار میں اشعار پڑھتے اور آپ تبسم فرماتے۔

بطور تتمہ یہ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ نعتیں کہنا اور پڑھنا صحابہ کرام کی عظیم ترین سنت ہے۔ وہ حضرات انتہائی خوش بخت ہیں جن کی زندگی کے شب و روز نعتیں کہنے میں گزرتے ہیں۔ یہ بات بھی بقول حضرت نظمی مارہروی صدفی صد حق ہے کہ'' دراصل نعت لکھی نہیں جاتی لکھوائی جاتی ہے۔ جن کے گن گاتے ہیں وہی اس کا سلیقہ بھی عطا کرتے ہیں''۔

میرے والد مکرم حضرت مفتیٔ اعظم اڈیشا حضرت علامہ سید شاہ عبدالقدوسؒ درس و تدریس کے گوہر گراں مایہ بڑی فیاضی کے ساتھ لٹاتے تو دورانِ تدریس انمول ہدایات کی کلیاں بھی خوب بکھیرتے۔ یاد رہے کہ بندۂ احقر نے والد گرامی سے بیشتر کتابیں پڑھیں۔ ایک بار پڑھاتے وقت فرمایا، قدسی! (یہ بھی واضح رہے کہ قدسی تخلص بھی والد محترم کا عطا کردہ ہے) جب بھی کسی کو پڑھاؤ تو وسعتِ قلبی سے اور علم دینے میں کبھی بخالت سے کام نہیں لینا۔ کیونکہ جو علم کے معاملے میں بخل سے کام لیتے ہیں ان کا علم سمٹتا چلا جاتا ہے۔ اور جو فیاضی سے کام لیتے ہیں ان کا علم بڑھتا جاتا ہے۔

والد مکرم کی مذکورہ ہدایت پر میرا ہمیشہ عمل رہا۔ خواہ دینی کتابیں ہوں یا دنیاوی کتابیں ہوں پڑھاتے وقت میں نے ہمیشہ فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔ اس پر میرے تلامذہ شاہد ہیں۔ اسی طرح شاعری کے میدان میں بھی بوقت اصلاح میں نے حتی المقدور فن کی عقدہ کشائی، لفظ کی زیبائش اور شعری آرائش میں بخل سے کبھی کام نہیں لیا۔ یہی وجہ ہے کہ بفیض والد بزرگوار میری شاعری میں اس قدر برکتیں ہوئیں کہ بفضلہ تعالیٰ اب تک بندۂ احقر کے تیرہ مجموہائے کلام معرض وجود میں آچکے ہیں اور مزید پانچ زیور طباعت سے آراستہ ہونے کے لئے پر تول رہے ہیں۔ آج سند فارغ الاصلاح دیتے وقت میں اپنے جملہ تلامذہ کو تلقین کرتا ہوں کہ اشعار کو معیار واعتبار بخشنے میں اجتہاد متواصل کرتے رہیں۔ اور جب کسی کے کلام کو اصلاحی مراحل سے گزارنا ہو تو اس وقت بجائے بخل کے فیاضی کا مظاہرہ کریں اور خود کو ہمیشہ خود ستائشی وخودنمائی سے دور و نفور رکھیں''۔

واضح رہے کہ علامہ قدسی کا سلسلہ شعرو سخن امیر مینائی تک چھ پشت سے پہنچتا ہے۔ یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ علامہ قدسی کے تلامذہ کا سلسلۂ شعرو سخن بھی حضرت امیر مینائی تک پہنچ گیا۔ کون امیر مینائی؟......وہ امیر مینائی جن کا نام سنتے ہی ہمارے ذہن میں یہ شعر یاد آجاتا ہے۔

کچھ رہے یا نہ رہے پر یہ دعا ہے کہ امیرؔ
نزع کے وقت سلامت مرا ایمان رہے

حضرت امیر مینائی ایک استاد شاعر کی حیثیت سے دنیائے اردو ادب میں بہت مشہور ہیں۔ آپ قادر الکلام شاعر ہونے کیساتھ ساتھ ماہر علم عروض بھی ہیں۔ آپ کے کامیاب شاعر ہونے کی دلیل یہ بھی ہے آپ کے بہت سارے اشعار زبان زد خواص و عوام ہیں مثلاً

خنجر لگے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

تیر کھانے کی ہوس ہے تو جگر پیدا کر۔ سرفروشی کی تمنا ہے تو سر پیدا کر
ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے۔ زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

سرکتی جائے ہے رخ سے نقاب آہستہ آہستہ۔ نکلتا آ رہا ہے آفتاب آہستہ آہستہ

شاعر کو مست کرتی ہے تعریف شعر امیر

سو بوتلوں کا نشہ ہے اس واہ واہ میں

حضرت امیر مینائی کے چند نعتیہ اشعار نذر قارئین ہیں۔

حلقے میں رسولوں کے وہ ماہِ مدنی ہے. کیا چاند کی تنویر ستاروں میں چھنی ہے

آغوشِ تصور میں بھی آنا نہیں ممکن حوروں سے بھی بڑھ کر تری نازک بدنی ہے

دنیا سے اور کچھ نہیں مطلوب ہے مجھے. لے جاؤں اپنے ساتھ میں ایمان یا رسول ﷺ

روشن ہوئے دل، پرتوِ رخسارِ نبیؐ سے یہ ذرے اسی مہر کے چمکائے ہوئے ہیں

خدا کریم، محمدؐ شفیعِ روزِ جزا۔ امیر کیا ہے حقیقت مرے گناہوں کی

حضرت امیر مینائی ایک عظیم شاعر، صاحبِ دواوین، ماہر ادیب اور قابلِ قدر عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ متقی اور پرہیزگار بھی تھے اور تصوف کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ ان کے متعلق یہ قصہ بہت مشہور ہے کہ جن دنوں رامپور میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط سالی کے آثار تھے تو وہاں کے نواب نے حضرت امیر مینائی کو دعا کے لئے کہا۔ حضرت امیر مینائی نے اپنا دعائیہ کلام پڑھا تو اس کے بعد رامپور میں ابرِ کرم خوب برسا، اس دعائیہ کلام کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

یا خدا خلق کو جینے کا سہارا ہو جائے۔ ابرِ رحمت کو برسنے کا اشارا ہو جائے

باغ شاداب ہو، کھیتی ہو ہری دل ہوں نہال۔ عیش و آرام سے خلقت کا گزارا ہو جائے

جوش میں ابرِ کرم آئے تو جل تھل بھر جائیں۔ کب سے ناکام ہیں، اب کام ہمارا ہو جائے

خطبۂ صدارت کے بعد علامہ قدسی نے ایک اور مسرت خیز اعلان فرمایا۔ وہ ہو بہو پیش کیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

درسگاہ کے بیس شعرا کی پیہم جدوجہد سخن شناسی اور ادب نوازی سے متاثر ہو کر میں نے سندِ فارغ الاصلاح دی ہے۔

ان بیس شعرا میں سے بندۂ احقر نے اپنی صواب دید کے پیش نظر ایسے پانچ شعرا کے اسما منتخب کئے ہیں جنہوں نے میدانِ شعر و سخن میں اپنا ایک منفرد مقام بنانے میں کامیابی و کامرانی حاصل کی ہے۔ اور اس کمال تک ان کی رسائی ہوئی ہے کہ وہ خود مبتدی شعرا کی رہنمائی کرتے ہوئے ان کے کلاموں کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ ان پانچ شعراء کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(۱) شبیر سحر قادری (۲) رفیق وارث مصباحی (۳) سید خادم رسول عینی

(۴) عمران مظہر برکاتی (۵) جانِ عالم پرسینڈوی

ان پانچوں حضرات کو میدانِ شعر و سخن میں اپنا نائب نامزد کرتے ہوئے یہ ہدایت دیتا ہوں کہ وہ شعر و ادب کی خدمت کرتے ہوئے نوآموز شعرا کی رہنمائی کریں اور اپنی شاگردی میں لے کر قدسی مکتبۂ فکر و فن کی مکمل پاسداری کرتے ہوئے شعر و سخن کے سلسلۂ حضرت امیر مینائی کو آگے بڑھانے میں تگ و دو کرتے رہیں۔

اس موقع پر علامہ قدسی کے تلمیذ راشد حضرت شبیر سحر نے فرمایا "علامہ قدسی کے علمی و ادبی شعری تعلق کا کمال ہی تھا کہ تعلیمی سفر فضیلت تک پہنچتے پہنچتے سحر کی شاعری اور سحر البیانی بھی فضیلت حاصل کر گئی اور علامہ قدسی کے شاعرانہ تقدس سے فیض یاب ہو کر پاکیزہ ہو گئی"۔

علامہ قدسی کے تلمیذ حضرت قمر الزماں امجدی نے اظہار مسرت کرتے ہوئے یہ فرمایا "میں بے حد خوش ہوں کہ علامہ قدسی جیسی عظیم ذات، عظیم عالم دین، عظیم قادر الکلام شاعر کی مجھ خاکسار کو شاگردی حاصل ہوئی اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ حضور والا نے سندِ فارغ الاصلاح بھی عطا فرما کر مجھ فقیر کو پل بھر میں ذرے سے آفتاب بنا دیا۔ علامہ قدسی کے علاوہ میں جب بھی حضرت سید خادم رسول عینی کے اشعار پڑھتا ہوں تو دل کی کلیاں کھل اٹھتی ہیں اور فوراً حضرت علامہ قدسی کی یاد آنے لگتی ہے کیونکہ ان کے کلام میں رنگِ قدسی دکھائی دیتا ہے"۔

ہم نے مندرجہ بالا سطور میں علامہ قدسی کے جن تلامذہ کا ذکر کیا ہے ان کے علاوہ بھی ہند و بیرون ہند میں کئی شعرا ایسے ہیں جنہوں نے اپنے نعتیہ مجموعے حضرت علامہ قدسی سے مکمل طور پر اصلاح کرانے کے بعد شایع کی۔ اور علامہ قدسی نے ان کی کتابوں کے لئے منثور و منظوم تقاریظ و مقدمات لکھے۔ وہ شعرا بھی علامہ قدسی کے شاگردوں کی صف میں شمار ہوتے ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر غلام زرقانی (امریکہ)، محمد امثل حسین گلاب مصباحی، غلام غوث احملی، قمر الزماں مظفر پوری، توفیق احسن برکاتی، کوثر چشتی وغیرہ۔

غرض یہ کہ شعر و سخن کے میدان میں علامہ قدسی کے تلامذہ کی ایک لمبی فہرست ہے۔ اللہ کرے علامہ قدسی اور ان کے تلامذہ کا یہ حسین و جمیل گلشنِ شعر و سخن ہمیشہ سرسبز و شاداب اور آباد رہے۔ آمین ثم آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ

☆☆☆

ڈاکٹر قطب سرشار
H.No: 5-198/B/1, Seshadri Nagar,
Street No. 9, Mahabubnagar T.S. - 509001
Mob: 9703771012 Email: drsarshar@gmail.com

شعر اقبالؒ کے چند موضوعات، تعبیرات

اسباب حیات و حاجات کی جتنی بھی جہتیں ہیں کم و بیش ان کے موضوعات اور افکار و اعمال بھی ہیں۔ انسانی معاشرہ کا منظرنامہ نہایت اور ناقابل فہم تماشہ گاہ ہے۔ معاشرتی مناظر تغیرات ماہ وسال کے متوازی بتدریج بدلتے رہتے ہیں۔ یہ تغیر پذیری، مظاہر قدرت، محرک و متحرکات کی کائناتی تعبیرات پیش کرتی ہے۔ اس تناظر میں نسل آدم مجبور بھی ہے اور مختار بھی۔ وہ رہ حیات کا تعین اپنی عقل کی روشنی میں کرتا ہے، جبکہ عقل کو علم سے بینائی حاصل ہوتی ہے اور علم، تدبر سے بصیرت حاصل کرتا ہے۔ علم کی دو ہی تعبیرات ہیں۔ ایک علم حقیقی (جس کو تغیر نہیں)، دوسرا علم مجازی (جو تغیر پذیر ہے)۔ علم مجازی کسبی ہوتا ہے جسے ہم تجربات شب و روز کی کشید کہہ سکتے ہیں اور تجربات تغیرات زمان و مکاں کے تابع ہوتے ہیں۔ علامہ اقبال کا ذہنی رشتہ مذکورہ دونوں علوم سے رہا ہے۔ علم مجازی علامہ اقبال کے ذوق، جستجو اور تدبر کی پیاس نہ بجھا سکا اور جب انہیں علم حقیقی یعنی قرآن حکیم کی آیات سے آگہی نصیب ہوئی تو ان کے دل و دماغ میں ادراک و آگہی کے چراغ روشن ہوگئے پھر ان کے ذوق جستجو اور تدبر کا پیالہ لبالب ہوگیا اور وہ بے اختیار کہہ اٹھے:

تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر

فن شاعری حرف و ہنر کی ایسی ریاضت ہے جس سے تخلیقیت، کمال اظہار اور اظہار کمال، زبان و بیان کی سلاست چاشنی احساس جمال کی تعبیرات اور ذہنی تلذذ کا اکتساب کیا جاتا ہے لیکن طرز حیات کے صحت مند اور فطری پیمانوں کا ادراک نہیں کیا جاسکتا۔ اردو شاعری میں غم ذات اور غم حیات کی ترجمانی کثرت سے ہوتی رہی ہے اور یہ سلسلہ تا حال بھی تھمتا نظر نہیں آتا ہے۔ علامہ اقبال کو جب اسرار کتاب اور سنت کی آگہی ہوئی تو انہیں لگا کہ فن شعر گوئی کو اپنی آگہی کے انکشافات کا وسیلہ بنایا جانا چاہیے اور انہوں نے یہی کیا۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ کلمہ گو قوم قرآن وسنت کے حقائق سے آگاہی کما حقہ نہیں رکھتی اور رکھتی بھی ہے تو معاشرتی سیاسی اور تہذیبی زندگی میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی ڈکٹیٹرشپ کو لاگو کرنے کے امکانات پر یقین نہیں رکھتی یا پھر اس کے بغیر بھی غیر فطری زندگی جینے پر خود کو مجبور سمجھنے لگی ہے۔ اس صورت حال پر علامہ اقبال متحیر ہیں اور ملول بھی کہ چودہ صدیاں بیت گئیں، خالق کائنات نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ دنیا کو علم حقیقی (قرآن حکیم) متعارف کروایا۔ تعجب ہے کہ حق آگہی کے بعد بھی اقوام عالم اسلام سے بدگمان ہے، بدکتی ہے اور مخالفت پر آمادہ ہے۔ حق آگہی سے بے اعتنائی یا مخالفت (جو عقل کی بے بصری ہے) انسانیت کا مقدر کیسے بن گئی ہے؟ اسی سوال نے علامہ اقبال کو اکسایا کہ شعری اظہار کے پیرائے میں اسرار کتاب کی گرہ کشائی کو شعار بنا دیا، امتداد زمانہ کا یہ المیہ ہے کہ ایک صدی کے بعد بھی کلام اقبال کی معنویت کو محض تحقیق و تنقید کا آلہ کار بنایا جاتا رہا ہے یا پھر تقریروں میں کلام اقبال کو جوڑ کر بیان کو پر اثر بنایا جاتا ہے۔ کوئی بھی فرد یا معاشرہ شعر اقبال کی حرارت سے اپنے لہو کو گرما نہیں پایا نہ جانے کیوں علامہ اقبال کا فکری مآخذ (قرآن وسنت) ذہن رسا کا حصہ اور عملی زندگی کی توانائی نہ بن پایا ہے۔ شعر اقبال کے اچھوتے موضوعات اور تعبیرات اسی لئے ناگزیر ہیں کہ فکر انسانی کو مہمیز کرتے ہیں۔ عالمی سطح پر انسانی معاشرہ زمینی حقائق سے قطع نظر کرتے ہوئے نفس کی محرکات پر مفروضات کی بھول بھلیوں سے الجھتا ہوا فتنہ و فساد کے گریزاں لمحات سے جوجھ رہا ہے۔ کسی زمین کے ٹکڑے کو اپنا وطن یا ملک مانتے ہوئے آپسی مخالفت اور مخاصمت کا شکار ہو رہا ہے۔ جبکہ فرد ہو کہ اجتماع اپنے مفروضہ وطن یا ملک میں مسافر کی مانند زندگی گزارتا ہے، انسان کسی بھی زمین کے خطے کا مالک کیسے ہوسکتا ہے، جبکہ وہ اس کا خالق نہیں ہے۔ خطہ زمین تو کجا وہ ایک حقیر سا کنکر بھی تخلیق نہیں کرسکتا ہے۔ اقوام عالم روئے زمین کے مختلف ٹکڑوں جن کا مالک اور خالق' خالق کائنات ہے پر قابض ہو کر انہیں اپنی ملکیت جتانے لگے ہیں۔ مسابقتی جذبات کے زیر اثر آپس میں نبرد آزما رہتے ہیں۔ اس طرح کی حماقتوں کو سیاست باور کیا جاتا ہے۔ ملک اور وطنیت جیسی اصطلاحات نادانی اور ظالمانہ نفسیات کی پیداوار ہیں۔ اگر اس نادانی کا ادراک ہوجائے تو ساری انسانیت اکائی کی شکل اختیار کرسکتی ہے۔ اس طرح ممکن ہے مخالفت، مخاصمت، عصبیت اور تفرقہ جیسی اصطلاحات لایعنی ہوکر رہ جائیں گی۔ علامہ اقبال کے چند اشعار میں نظریہ وطن کی نئی اور بر بنائے

حق تعبیرات کا ادراک کیا جاسکتا ہے۔ وہ وطنیت کے نظریے کو سیاسی عیاری سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور انکشاف کرتے ہیں کہ سیاست میں منطق نہیں ہوتی عیاری اور فریبی، منصوبہ بندی ہوتی ہے اور سیاست اقتدار پسند شاطر اور احساس برتری کے زیر اثر ظالمانہ نفسیات کی پیداوار ہے۔

سیاست انسان کو انسان کی غلامی پر یقین رکھتی ہے۔ سیاست ظلم، تشدد اور استحصال میں تلذذ و تشفی محسوس کرتی ہے جبکہ نسل انسانی کے علاوہ دنیا کی تمام جاندار مخلوق میں ایک دوسرے کی غلامی نہیں کرتی۔ اسلام نے ساری غیر فطری اور جاہلانہ روایتوں کا ادراک کروایا اور ان کا خاتمہ کروادیا۔ پیغمبر اسلام سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیام سروش کے رسائی سے دنیا کو عرفان حق کروایا۔ نسل انسانی کے لئے بے بصر عقل کو آ گہی کا نور عطا فرمایا۔ وطنیت کے مفروضہ اور باطل نظریے کی تکذیب فرمائی۔ اس حوالے سے علامہ اقبال کی نظم کتاب وسنت کا فکری ماخذ ذہن کے تاریک گوشوں کو روشن کرتا ہے:

نظم ''وطنیت''

اس دور میں مئے اور ہے، جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روش لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گر کاشانۂ دین نبویؐ ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے، تو مصطفوی ہے
گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوتؐ میں وطن اور ہی کچھ ہے
اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

اس نظم میں جو کلیدی مصرعے ہیں انہیں دہراتے ہوئے بات آگے بڑھاتے ہیں۔

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے۔ ارشاد نبوتؐ میں وطن اور ہی کچھ ہے

ارشاد نبوتؐ سے مراد دراصل پیام سروش یعنی علم وحی (علم حقیقی) ہے، علم وحی خدا کی خلاقیت اور آیات کے انکشافات ہیں، جیسا کہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) خبردار! آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے (سورہ یونس:۵۵)

(۲) آگاہ رہو! آسمانوں میں بسنے والے ہوں کہ زمین کے سب کے سب اللہ کے مملوک ہیں (سورہ الصافات:۳)

علم وحی کے بغیر ابن آدم کے لئے سفر حیات میں صحت مند (صراط مستقیم) کا ادراک ممکن نہیں، چنانچہ اقبال فرماتے ہیں: ''انسانی عقل اس قابل نہیں کہ وہ صراط مستقیم کا تعین کر پائے''۔

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں۔ راہبر ہو ظن و تخمیں تو زبوں کارِ حیات
فکر بے نور ترا، جذب عمل بے بنیاد۔ سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شب تارِ حیات
خوب و ناخوب عمل کی ہو گرہ وا کیونکر۔ گر حیات آپ نہ ہو شارح اسرارِ حیات!

(نظم ''وحی'' ضرب کلیم:۲۶۰)

وطنیت، جمہوریت، ملوکیت اور قانون حیات تمام کا انحصار اگر انسانی عقل پر ہو تو بقول اقبال محدود و بے مایہ عقل انسانی امامت کی سزاوار نہیں ہوتی اور ایک نظم ''الارض للہ'' میں اقبال نے زمین اور اللہ کی نشانیوں کے حوالے سے کہتے ہیں:

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
کون لایا کھینچ کر
پچھم سے بادِ ساز گار
خاک یہ کس کی ہے، کس کا ہے یہ نورِ آفتاب؟
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی بیج
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب؟
دِہ خدا ہے' یہ زمیں تیری نہیں، تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں، تیری نہیں،
میری نہیں

(بال جبرئیل:۵۴۶)

یہ زمین تیری نہیں میری نہیں تو پھر کیوں یہ اقطاع عالم کو اقوام عالم اپنی ملکیت مان کر منقسم ہوگئے، دوبدو ہوگئیں جبکہ روئے زمین پر ابتدائے آفرینش سے عمرانی زندگی محض آمد و رفت کے جستہ جستہ لمحات کا ایسا سفر ہے جس کا انت نامعلوم ہے۔ زمین پر کسی کے قیام کو ثبات نہیں باوجود اس کے نقش ایقان کا عالم یہ ہے کہ بنی آدم اسباب حیات کو مستقل اپنی میراث سمجھنے لگا۔

ملوکیت اور وطنیت کے ایقان نے اقوام عالم کے مابین لکیریں کھینچ دی ہیں۔اس سبب سے صدیوں سے روئے زمین پر فتنہ وفساد کا سلسلہ جاری ہے اور چند مقتدر عناصر نے کروڑوں افراد کو غلامانہ زندگی بسر کرنے پر بے بس و مجبور بنائے رکھا ہے۔صدیوں سے ذہانت دولت اور طاقت کی حکمرانی کا چلن جاری ہے۔اسلام نے اس حکمرانی کے طلسم کو توڑا اور جہل کا تاریک چہرہ روشن ہو گیا، لیکن ذہانت دولت اور طاقت کی سازشوں نے اسلام کی روح معنی پر مذہب کا لیبل لگا دیا ہے، اس طرح اسلام ایک دستور حیات کی بجائے رہبانیت کے سانچے میں ڈھل گیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد دنیا پر پھر وہی بادشاہ کی حکومت کا سلسلہ صدیوں سے چلتا رہا، بعد ازاں عوامی حکومت یعنی زمام حکومت بنام جمہوریت چند اشخاص میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے۔اس حوالے سے علامہ اقبال کی ایک نظم کے دو مصرعے:

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

جمہوری نظام میں رائے دہی کا حق اسی فرد کو ہونا چاہیے جو جمہوریت کی معنویت، اہمیت اور ضرورت سے آگاہ ہوتا ہے جبکہ اس کو بھی یہ حق دیا جاتا ہے جو اَن پڑھ جاہل اور جمہوریت کی روح سے قطعی بیگانہ ہوتا ہے، چنانچہ ایسے نادان رائے دہندے آئے دن اپنا ووٹ چند سکوں کے عوض فروخت کرنے لگے ہیں۔ اس طرح ایسے افراد منتخب ہو جاتے ہیں جو جمہوریت کے مفہوم سے نابلد صرف دولت اور طاقت کے بل بوتے پر سرکار کا حصہ بن جاتے ہیں، جو قوم کے سرمائے کا صحت مند استعمال نہیں جانتے اس کے باعث ملک میں عام آدمی جبر معیشت اور لاقانونیت کا شکار ہو جاتا ہے اور ہونے بھی لگا ہے۔جیسا کہ ہم نے استدلال کیا کہ ملوکیت جمہوریت کے بہانے چند افراد میں منقسم ہو کر رہ گئی ہے۔

عام آدمی پہلے بھی غلام تھا اور آج بھی ہے۔اسلام یہ باور کرواتا ہے یہ زمین اور ممالک کی صورت اس کی تقسیم سیاسی عیاروں کی شاطرانہ منصوبوں کے باعث معاشرتی فتنہ وفساد زوال معیشت اور جنگ وجدال کا میدان بنادی گئی ہے۔اس تناظر میں اقبال کے وجدانی کلمات میں آگہی کا جوہر روشن نظر آتا ہے، کہتے ہیں وطنیت کا وجدانی تصور کچھ اور ہی ہے۔

فطرت نے مجھے بخشے ہیں جوہر ملکوتی
خاکی ہوں مگر خاک سے
رکھتا نہیں پیوند
درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دِلّی، نہ صفاہاں، نہ سمرقند

کھلا کہ زمین میں وطنیت کا مفروضہ اور خرد آفریدہ طرز جمہوریت انسانوں کو انسانوں کا غلام بنائے رکھنے کا شاطرانہ کھیل ہے، نسل آدم کو چاہیے کہ حقیقت کا ادراک کرے اور عقل کو منطقی خطوط پر قائم رکھتے ہوئے خالق کائنات کی ڈکٹیٹرشپ کی مثبت و مفید جہتوں میں صحت مند راستوں کا تعین کرے تا کہ اقوام عالم میں مہر و مروت اور مساوات کی فضا ہموار ہو جائے۔جیسا کہ قرآن میں خالق کائنات کا ارشاد ہے:

''سب مل کر اللہ کی رسی (صراط مستقیم) کو مضبوطی سے تھامے رہو متفرق مت ہو جاؤ''(سورہ البقرہ:۱۰۳)

''زمین اور اقتدار کی خاطر آپس میں جھگڑا مت کرو، ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور اکھڑ جائے گی ہوا تمہاری''(سورہ ۸ آیت:۴۶)

جنگ وجدال فتنہ سیاست ہے اور اس فتنے کے شکار معصوم و مغلوب عوام الناس ہوتے ہیں۔شعر اقبال اسی نکتہ کی اساسی تعبیر ہے۔اقبال ہو کہ غالب انہیں استعمال کیا جاتا ہے، ان سے روشنی نہیں لی جاتی۔کم از کم اقبال شناسوں کو چاہیے کہ خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں اور توصیف و توضیح اقبال کی بجائے تعبیرات شعر اقبال کی روشن سمتوں پر چل پڑیں۔اس طرح اقبال اور کتاب وسنت کی مناسبات کا ادراک ہو سکے گا۔

☆☆☆

(غالب کی خطوط نگاری کا بقیہ)

مثالیں جگہ جگہ نظر آتی ہیں۔وہ اکثر چٹکلے، لطیفے، اور ظرافت سے لبریز باتوں کو بڑی خوبصورتی سے پیش کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ ان کے دوست ان کے خطوط کا بے صبری سے انتظار کرتے تھے۔لیکن کمال کی بات یہ ہے کہ غالبؔ جب اپنے تعزیتی خطوط تحریر کرتے ہیں تو ان کی شخصیت کا ایک الگ انداز ابھر کر سامنے آتا ہے ایک مقام پر لکھتے ہیں''کہ کسی کے مرنے کا غم وہ کرے جو آپ نہ مرے۔'' کہیں تحریر کرتے ہیں''ہائے اتنے دوست مرے کہ اب جو میں مروں گا تو کوئی میرا رونے والا بھی نہ ہوگا۔''

الغرض غالبؔ کے خطوط میں وہ تمام تر خوبیاں نظر آتی ہیں جو ایک اعلیٰ اردو نثری فن پارے کی خصوصیات کہی جاسکتی ہیں۔انھوں نے خطوط نگاری کا جو طرز ایجاد کیا اس کی مثال ممکن نہیں ان کے بعد ان کی طرزِ تحریر کا انداز تو کسی حد تک اختیار کیا جا سکتا ہے لیکن ان کا جواب نہیں پیدا کیا جا سکتا کسی شاعر کا کہنا ہے:

پرواز کرتے رہئے جہاں تک اُڑان ہے
غالبؔ کا فن ہمارے لئے آسمان ہے

☆☆☆

(ایم۔نصراللہ نصر
ShalimarApartment
3/SatyanBoseRoad
Bloc-C,Bakultala
Howrah-711109
(W,B)
9339976034

بن گئی ہیں آئینہ غزلیں مری ارشدؔ جمیل

اللہ نے ہر انسان کو کسی نہ کسی خاص وصف سے ضرور نوازا ہے۔کسی کو فنکار بنایا ہے علم وہنر سے سرفراز کیا ہے تو کسی کو شاعر وادیب بنایا ہے۔سچ پوچھیں تو کسی کو بے ہنر اور بے وصف نہیں رکھا ہے۔ارشد جمیل کو بھی رب نے مالک علم و دانش اور اہل سخن بنایا ہے اور شاعری کا شعور عطا کیا ہے۔شعرائے عصر میں ان کا بھی شمار ہونے لگا ہے۔یہ سب اسی کا کرم اور اسی کی نوازش ہے کہ وہ خوبصورت اشعار کہنے کا مجاز رکھتے ہیں۔شاعری دراصل اللہ کی بخشش وعنایت ہی ہوتی ہے۔یہ سچ ہے کہ کسی کسی کو خدا یہ کمال دیتا ہے۔ایسے ہی مخصوص بندوں میں کٹک (اڈیشہ) سے تعلق رکھنے والے اور اپنے دائرے میں رہ کر شعر کہنے والے کا نام ارشد جمیل ہے۔

ارشد جمیل نہ بہت معروف شاعر ہیں اور نہ بہت گم نام وغیر معروف۔حلقۂ سخنوراں میں ان کی عظمت وشہرت اپنی جگہ مسلم ہے۔ان کی شاعری میں ذات کا کرب اور کائنات کا درد، غم جاناں وغم روزگار کی فکر، شورش دوراں کا ذکر تجربات حیات اور عصر حاضر کی عکس ریزی، عصری حسیت کا احساس، حوادث زمانہ کا بیان سب کچھ شامل ہے۔ان کی شاعری میں تصنع کم اور حقیقت کا اظہار زیادہ ہوا ہے۔اصناف سخن کے بیشتر عوامل سے ان کی وابستگی رہی ہے۔حمد، نعت، غزل اور قطعات کے علاوہ بھی کہنے کی کوشش کی ہے۔مختصر یہ کہ انھوں نے اپنی شاعری میں ذات اور زمانے کی درون کے احساسات کو سخن کا خوبصورت ریشمی و مخملی پیراہن عطا کیا ہے۔مثالیں ملاحظہ کریں:

محراب لب پہ رہتا ہے ہر پل درود پاک. منقوش میرے دل میں محمدؐ کا نام ہے
دیوار دشمنی تو اٹھائی تھی آپ نے ہم نے ہی اس میں پیار کے رستے بنا لیے
دل کا گوشہ گوشہ میرا ہو گیا روشن جمیلؔ. جب بصیرت کے چراغوں کو جلایا آپؐ نے
حسن اخلاق سے گرویدہ بنایا جائے. اپنے دشمن کو بھی سینے سے لگایا جائے
زرد وادی میں بھٹکتے ہیں جو انساں ارشدؔ. ان کو امید کا آئینہ دکھایا جائے

مذکورہ اشعار سے منکشف ہوتا ہے کہ ارشد جمیل کی شاعری کا کینوس کشادہ ہے۔تقدیسی شاعری میں بھی وہ کمال رکھتے ہیں اور دیگر موضوعاتی شاعری میں بھی ان کی ہنر مندی کے آثار نمایاں ہیں۔ان کے دل میں دشمنوں کے لیے جگہ محفوظ ہے ۔بڑے وسیع القلب ہیں۔اپنے اخلاق اور پیار سے رقیبوں کے دلوں میں جگہ بنا لینے کا ہنر وہ جانتے ہیں۔اس کے علاوہ زمانے کا درد بھی رکھتے ہیں۔اصلاحی کلام بھی کہتے ہیں اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہِ راست پر لانے کی ترکیب بھی کرتے ہیں۔ان کی شاعری میں اور بھی عوامل کام کرتے ہیں جو قابل ستائش ہیں۔ملاحظہ فرمائیں:

تیرگی کفر کی ہر روز بڑھی جاتی ہے۔شمع ایمان ہر اک دل میں جلانا ہوگا
دل تو انسان نے پتھر کا بنا رکھا ہے۔دکھ کو سمجھیں گے بھلا کیا یہ زمانے والے
اللہ اور رسول کے احکام بھول کر۔مسلک میں آج کتنے مسلمان بٹ گیا
پھولوں کے عوض مجھ کو ملے خار ہی لیکن۔میں سب کی بھلائی کی دعا مانگ رہا ہوں

ارشد جمیل نے اپنے سوانحی خاکہ میں بتایا ہے کہ ان کا اصل نام مرزا عبدالقدوس بیگ ہے اور قلمی نام ارشد جمیل۔تاریخ ولادت ۴؍فروری ۱۹۶۲ء اور جائے پیدائش کٹک اڈیشہ ہے۔والد کا نام عبدالوہاب بیگ (مرحوم) اور والدہ کا نام سعیدہ خاتون (مرحومہ) ہے۔تعلیم ایم۔اے (اردو) مانو (حیدرآباد) اور عربی میں ڈپلوما دہلی سے حاصل کیا ہے۔پیشہ درس وتدریس کا رہا ہے اور رہائش کٹک میں۔

ارشد جمیل صاحب کے حلقۂ دوستاں اور آشنائے شعر وادب میں کٹک کے مشاہیر سخن کے نام شامل ہیں جن میں کرامت علی کرامت، سعید رحمانی اور نفیس دسنوی کے علاوہ کئی بزرگ و جوان اہل علم و دانش کے نام لیے جاسکتے ہیں جن کی صحبت اور شاگردی میں رہ کر شعر گوئی کا شوق پال لیا۔پہلے ٹوٹے پھوٹے انداز میں شاعری کی لیکن اب شعر کہنے کا شعور آنے لگا ہے۔ہاں اتنا ضرور ہے کہ شاعری کی ہر منزل پہ شاعر کو سیکھنا پڑتا ہے۔وہ کبھی فارغ التحصیل نہیں ہوتا۔اس لئے اشد جمیل کو ابھی اور بہت کچھ سیکھنا باقی ہے۔اگر طبیعت اسی طرح شعر گوئی پر مائل رہی تو وہ مرحلہ بھی طے ہوسکتا ہے۔

غزل اردو کی سب سے مقبول صنف سخن ہے۔اس میں زمانے کے تجربات و مشاہدات کی بطرز احسن اور صنف شاعری کے فریم میں رہ کر عکاسی کی جاتی ہے۔ذاتی کرب وکراہ و رطرب ونشاط کا ذکر خوش اسلوبی سے کیا جاتا ہے جس میں منتشر حقائق کو جامعیت اور منظم طریقے سے پیش کیا جاتا ہے۔غزل میں فصاحت اور بلاغت کے علاوہ حلاوت کا ہونا بھی لازمی ہے۔سادگی اور سلاست کے ساتھ پرُکاری بھی ضروری ہے۔جس کا خیال رکھنے کی ارشد جمیل نے پوری کوشش کی ہے۔بطور تمثیل چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

ریگ صحرا کی طرح خشک تھیں آنکھیں میری۔ بہتے اشکوں کا بنایا یہ سمندر کس نے
ساحلوں کو جب سے جینے کا قرینہ آگیا۔عزم سے ان کے بھنور کو بھی پسینہ آگیا

کس سے دل کا درد بانٹیں کس کو اپنا دکھ کہیں
کون کس کا ہم نوا ہے، کون اب غم خوار ہے

مختصر یہ کہ ارشدؔ جمیل کو شعر و سخن سے رغبت جنون کی حد تک ہے۔ کافی عرصہ سے شاعری کر رہے ہیں اور اچھے اشعار بھی نکالنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن مشورے کے طور پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ :

غضب کی دھوپ ابھی دل کے سائبان میں ہے
ابھی نہ آ کہ بہت کچھ کمی مکان میں ہے

اس کے باوجود ان کی شاعری ایک عالم کو پسند ہے۔ ان کی فکر میں بالیدگی کے آثار نمایاں ہیں۔ عروضیات پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے باقی سب ٹھیک ہے۔ اس لئے کہ:

بن گئی ہیں آئینہ غزلیں مری ارشدؔ جمیل۔ اس میں آئیں گی نظر اس دور کی پرچھائیاں

☆☆☆

ارشدؔ جمیل
Saidani Baghicha
Cuttack(Odisha)

غزل

جو اہلِ محبت ہیں وہ نفرت نہیں کرتے
دشمن سے بھی کھل کر وہ عداوت نہیں کرتے

ہے جن کو قناعت کی میسر یہاں دولت
وہ زر سے، زمینوں سے محبت نہیں کرتے

محروم ہیں اطفال جو کردارِ حسیں سے
پرکھوں کی کبھی اپنے اطاعت نہیں کرتے

ہے ان کو عبادت کے عوض خواہشِ جنت
کیا لوگ ہیں بے لوث عبادت نہیں کرتے

جینا بھی یہیں ہے ہمیں مرنا بھی یہیں پر
مٹی کے وفادار تو ہجرت نہیں کرتے

خوشیاں بھی وہی دیتا ہے دکھ درد بھی ارشدؔ
راضی بہ رضا ہیں کہ شکایت نہیں کرتے

حنیف مجھی
FaisalVilla,NayaparaWard
Dhamtari-493773(Chhatisgarh)

غزل

دیکھتا ہوں میں زمیں اور نہ زماں دیکھتا ہوں
آسمانوں سے پرے کوئی جہاں دیکھتا ہوں

کتنی روشن تھی خدایا کبھی دنیا تیری
اب تو میں چاروں طرف صرف دھواں دیکھتا ہوں

یہ محل تم جو بناتے ہو حسیں خوابوں کا
اس کی بنیاد سرِ آبِ رواں دیکھتا ہوں

کر دیا وقت کی گردش نے اسے پیر تو پھر
اس کی الفت کو تو اب میں بھی جواں دیکھتا ہوں

جس جگہ دیکھئے اک رنگِ دگر ہے اس کا
مجھ کو لگتا ہے نیا اس کو جہاں دیکھتا ہوں

یہ ترقی ہے کہ تہذیبِ نوی کا ہے شکار
کل تھا جو کچھ بھی نہاں آج عیاں دیکھتا ہوں

گرچہ صدیوں سے ہے گردش کی یہ زد پر پیہم
آج بھی میں تری دنیا کو جواں دیکھتا ہوں

جس نے انکار بزرگوں کی فضیلت سے کیا
اس کا مٹتا ہوا میں نام و نشاں دیکھتا ہوں

دھمتری جس کا ہوا نام دیارِ فن میں
فن سے مجھی کے بلند اس کا نشاں دیکھتا ہوں

☆☆☆

انجینئر محمد عادلؔ فراز
ہلال ہاؤس۔مکان نمبر۱۱۴/۴
نگلہ ملاح سول لائن۔علی گڑھ۔202002
یوپی
MOB:9358856606

فن و شخصیت

غالبؔ کی خطوط نگاری

خطوط نگاری سے انسان کا تعلق بہت پرانا ہے۔اس کی ذریعہ انسان اپنے خیالات کا اظہار کرتا رہا ہے اور دوسروں کے حالات سے آشنا ہوتا رہا ہے۔جب ہم تاریخ کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو اس کے شواہد سامنے آنے لگتے ہیں کہ کس کس دور میں کیسے کیسے خط لکھے گئے اور کن کن شخصیات نے خط و کتاب کے ذریعے اپنی بات دوسروں تک پہنچائی۔خطوط نگاری اپنے دور کے گرد و پیش کے حالات و واقعات کی بھی عکاسی کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہمیں خطوط کے مطالعہ کے بعد بخوبی اس دور کی تاریخ کا علم ہو جاتا ہے جس دور سے ان کا تعلق ہوتا ہے۔اسی لئے خطوط نگاری کی ہر دور میں اہمیت برقرار رہتی ہے۔

اگر ہم اردو ادب کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو بہت سے ایسے خطوط مل جاتے ہیں جو اردو ادب کے مختلف ادوار کی تاریخی و لسانی تصویر کشی کرتے ہیں اور جن کو پڑھ کر ہم آسانی سے یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ کس دور میں کون سے الفاظ رائج تھے اور کون سے الفاظ متروک تھے کون سے محاورے زبان زدِ خاص و عام تھے اور کس علاقے میں کس زبان اور تہذیب کا اثر زیادہ تھا۔مثلاً اردو خطوط نگاری کا ایک دور وہ بھی تھا جب ہندوستان میں فارسی زبان کے زیر اثر خط و کتابت کا ایک رسمیہ انداز قائم تھا۔خط لکھنے والا خط کی ابتداء میں تکلفات سے کام لیتا تھا اور لمبے چوڑے القاب و آداب کے بعد نفسِ مضمون پر آتا تھا۔اس کے علاوہ خطوط مقفا و مسجع عبارت سے پُر ہوتے تھے۔مقفا و مسجع عبارت کسی نثری فن پارے کے لیے تو مناسب یا عوام و خواص کے لئے جاذب نظر ہو سکتی ہے لیکن خط میں اس کی فروانی سے اصل مقصد مجروح ہوتا تھا۔لیکن اس سے اس دور کی پُر تکلف گفتگو کا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ انسان خصوصاً ادب سے وابستہ شخص اپنا مافی الضمیر ادا کرنے میں کس قدر وقت لیتا تھا۔اصل میں یہ اس دور کی بات ہے جب انسان کے پاس وقت بہت ہوتا تھا اور زمانہ دھیمی رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا لیکن جب سائنس نے ترقی کی یا ۱۸۵۷ء کا انقلاب ہندوستان میں رونما ہوا تو خصوصاً ہندوستان کا ماحول و معاشرہ تبدیل ہوا۔اس دوران ادب نے بھی نیا رُخ اختیار کیا داستان کی جگہ ناول نے لے لی اسی کے ساتھ انسان کی زندگی کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ اس کی دلچسپی کے طور طریقے بھی تبدیل ہوئے تو ایسے وقت میں ضروری تھا کہ خط و کتابت پر بھی اس کا اثر پڑے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اپنے گرد و پیش سے اردو خطوط نگاری بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

خطوط نگاری کے رنگ کو تبدیل کرنے میں مرزا اسداللہ غالبؔ کا اہم کردار رہا۔ان کے جدید ذہن نے روایت سے انحراف کرتے ہوئے خط و کتابت کے انداز کو ہی بدل کر رکھ دیا۔انھوں نے پُر تکلف الفاظ اور رسمی القاب و خطاب سے گریز کرتے ہوئے مکتوب الیہ کو خطاب کیا۔ان کے خطوط پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ وہ اپنے مخاطب سے دور نہیں بلکہ اُس کے پاس بیٹھ کر گفتگو کر رہے ہیں۔وہ خود کہتے ہیں کہ ’’میں نے مراسلے کو مکالمہ بنا دیا ہے‘‘۔

غالبؔ کا حلقۂ احباب نہایت وسیع تھا ان کی شخصیت ایسی تھی جو ان سے ایک بار ملاقات کر لیتا تھا وہ ان کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ملک بھر میں ان کے دوست اور شاگرد پھیلے ہوئے تھے جو ان سے خط و کتابت کرتے رہتے تھے۔غالبؔ بھی ہر خط کا جواب لکھنا واجب سمجھتے تھے۔غالبؔ نے جب اردو میں خط لکھنا شروع کئے تو یہ ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ سرسری طور پر لکھے گئے ان کے خطوط اتنے مقبول ہو جائیں گے کہ ان کے احباب ان کی اشاعت کے لئے کہیں گے۔غالبؔ کے خطوط کے دو مجموعے ’’عودِ ہندی‘‘ اور ’’اردوئے معلیٰ‘‘ ۱۸۶۸ء ۱۸۶۹ء کے درمیان منظر عام پر آئے جس سے غالبؔ کی خطوط نگاری کی انفرادیت سب پر واضح ہوئی۔

وہ منفرد مزاج کے مالک تھے کسی کے بنائے ہوئے راستے پر چلنا انھیں گوارہ نہ تھا۔انھوں نے خود اپنے لئے نئی راہ بنائی اور اس پر تا دمِ آخر رواں دواں رہے۔یہی سبب ہے کہ وہ جہاں شاعری میں اپنی مثال آپ ہیں تو نثر میں بھی خطوط نگاری کے حوالے سے انفرادیت کے حامل ہیں۔انھوں نے خطوط نگاری کے فن میں ایسے جوہر دکھائے جن کی مثال اس دور میں دیکھنے کو بہت کم ملتی ہے اور آج بھی ان کی مکتوب نگاری کی دلفریبی اہلِ ادب سے بے پناہ داد و تحسین وصول کرنے میں سب سے آگے ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ وہ شاعری نہ کرتے اور صرف خطوط نگاری سے ہی

کام لیتے تو ان کا ادب میں وہی مقام ہوتا جو آج ہے تو قطعی غلط نہ ہوگا۔ خواجہ الطاف حسین حالؔی غالبؔ کی خط و کتابت کے سلسلے سے اپنی کتاب یادگارِ غالب میں لکھتے ہیں ''مرزا کی شہرت و ناموری کا دار و مدار ان کی اردو فارسی شاعری پر نہیں اردو مکتوب نگاری پر ہے۔'' غالبؔ کی اسی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے فروفیسر خواجہ احمد فاروقی کا کہنا ہے کہ ''خاکم بہ دہن اگر دیوانِ غالب نہ ہوتا اور صرف خطوطِ غالب ہوتے تو بھی غالبؔ غالب ہی ہوتے۔''

غالبؔ کا خاصہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے خط و کتابت میں نہایت ہی سادہ ،سلیس اور بے تکلف اندازِ بیان اختیار کیا ہے۔ ان کے لہجہ میں برجستگی، شوخی اور ظرافت کے عناصر نمایاں طور پر نظر آتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان خطوط میں جدّت پسندی، تاریخی شواہد، مختصراً القاب و آداب، سلام و دعا، گفتگو اور بات چیت کا سا اندازِ فکر، ڈرامائی رنگ و آہنگ دیکھنے کو ملتا ہے۔

غالبؔ اپنے خطوط میں الگ الگ موقع کی مناسبت سے طرزِ تحریر اختیار کرتے ہیں۔ ان کے تعزیتی خطوط کا رنگ الگ اور خوشی اور مبارک باد کے موقع پر لکھے گئے خطوط کا رنگ الگ ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے خطوط میں اپنی روداد اور سوانح بھی تحریر کر دی ہے اور اپنے دور کے حالات بھی رقم کر دیے ہیں۔ ان کے خطوط اس دور کی دلّی کی کہانی بھی بیان کرتے ہیں اور عوام الناس کی کشمکشِ حیات کا تذکرہ بھی ان میں پایا جاتا ہے۔ اور یہ سب اتنی خوبصورتی سے بیان کیا ہے کہ ان کے خطوط کا قاری خود کو اس دور کے ماحول سے خود کو نہ صرف آشنا سمجھتا ہے بلکہ اُسے لگتا ہے کہ وہ اس دور کا ایک باشندہ ہے جہاں غالبؔ جیسا شاعر اپنی زندگی کے لمحات صرف کر رہا ہے۔ ان کے بارے میں حالؔی کا ''یادگارِ غالبؔ'' میں مزید بیان ہے کہ ''مرزا کی اردو خط و کتابت کا طریقہ فی الواقع سب سے نرالا ہے۔ نہ مرزا سے پہلے کسی نے خط و کتابت میں یہ رنگ اختیار کیا اور نہ ان کے بعد کسی سے اس کی پوری تقلید ہو سکی''۔ حالؔی کے اس بیان کی روشنی میں غالبؔ کی خطوط کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ اور بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ انھوں نے اردو نثر کو کس بیش قیمت سرمایے سے نوازا ہے۔ ان کی خطوط نگاری کی صلاحیت، کمال اور حسن اس خط میں دیکھے جا سکتے ہیں جو انھوں نے منشی شیو نراین آرامؔ کے لئے تحریر کیا تھا لکھتے ہیں کہ ''بھائی یہ بات تو کچھ نہیں کہ تم خط کا جواب نہیں لکھتے۔ خیر دیر سے لکھو اگر شتاب نہیں لکھتے''

مرزا تفتہؔ سے بھی ان کا اندازِ مراسلہ دیکھئے لکھتے ہیں ''کیوں صاحب کیا یہ آئین جاری ہوا ہوتا تو یہاں بھی اشتہار ہو جاتا کہ زنہار کوئی خط سکندر آباد کی ڈاک میں نہ جائے۔'' میر مہدی مجروحؔ سے کچھ اس طرح خط و کتابت کرتے ہیں ''او میاں سید زادہ آزادہ، دلی کے عاشق دلدادہ، ڈھے ہوئے اردو بازار کے رہنے والے، حسد سے لکھنو کو برا کہنے والے نہ دل میں مہر و آزرم، نہ آنکھ میں حیا و شرم'' ان خطوط کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ غالبؔ اپنے اقارب سے کس بے باکانہ انداز میں کلام کرتے تھے جسے وہ خط و کتابت میں بھی اپنا شیوہ قرار دیتے ہیں۔

غالبؔ نے پر تکلف، طویل اور پر تصنع القاب کو ہٹا کر خطوط نگاری کو ایک فطری ذہن عطا کیا۔ انھوں نے القاب و آداب اور فرسودہ اندازِ تحریر کو مختصر کر دیا۔ ''یہاں سب خیریت ہے اور آپ کی خیریت خداوند کریم سے مطلوب ہے'' جیسے روایتی جملوں سے انھوں نے گریز کیا۔ ان کے خطوط میں مکتوب الیہ کے لیے جو مختصر القاب یا خطاب ہیں وہ اس طرح ہیں مثلاً 'اجی مولانا علائی'، 'مرزا علائی'، 'میری جان'، 'صاحب'، 'مرزا'، 'میاں'، 'سعادت و اقبال نشاں'، 'یار' بھتیجے' بھائی' مولانا علائی' مہاراج' سید صاحب' فرزند' دلبند' برخوردار' بھائی' نورِ چشم' راحتِ جان' پیر و مرشد'، 'جنابِ عالی'، 'قبلہ و کعبہ'، 'قبلۂ حاجات'، 'خداوندِ نعمت' وغیرہ وغیرہ۔ ان کا کمال یہ ہے کہ وہ دوستوں، بزرگوں اور بچوں کے القاب و خطابات میں امتیاز رکھتے ہیں اور ان کے یہاں ہر سن و سال یا دوستوں اور اقارب سے متعلق القاب و آداب اُسی اعتبار سے آتے ہیں جس کا مکتوب الیہ مستحق ہوتا ہے۔

ان کے خطوط میں کہیں کہیں ایک ڈرامائی انداز بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً مرزا حاتم علی بیگ مہؔر کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں کہ ''مرزا صاحب! میں نے وہ اندازِ تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلے کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ ہزار کوس سے بزبانِ قلم باتیں کیا کرو، ہجر میں وصل کے مزے لیا کرو۔''

ان کا کمال یہ بھی ہے کہ وہ جس واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہیں اس کی جزئیات بھی بیان کرتے ہیں لیکن کمال یہ ہوتا ہے کہ تحریر میں کہیں جھول یا بد مزگی واقع نہیں ہوتی بلکہ تحریر دلچسپ اور پُر لطف ہو جاتی ہے۔ وہ خط لکھتے وقت تاریخ اور دن اور وقت کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ مثلاً میر مہدی مجروح کے نام لکھا خط دیکھیں لکھتے ہیں ''آج یک شنبہ کا دن، ساتویں فروری ۱۸۵۷ء کی اور شاید بائیسویں جمادی الثانی ۱۲۷۰ھ کی ہے۔'' کچھ خطوط میں وقت بھی لکھتے ہیں۔ ''منگل کا دن ۲۳/ جمادی الثانی ۱۶/ دسمبر پہر دن چڑھے۔'' ''۶/ دسمبر ۱۸۶۵ کہ بدھ کا دن ہے آٹھ بجا چاہتے ہیں۔'' اس کے ساتھ ساتھ کچھ خطوط میں ایسی بھی مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں جس میں وہ خط ملنے اور خط لکھنے کے اوقات کو بھی ایک ساتھ تحریر کر دیتے ہیں مثلاً اس طرح لکھتے ہیں۔ ''آج دوشنبہ ۶/ رمضان کی اور ۱۵/ فروری کی ہے۔ اس وقت کہ بارہ پر تین بجے ہیں، عطوفت نامہ پہنچا، ادھر پڑھا، ادھر جواب لکھا۔'' کچھ خطوط میں مختصراً اس طرح تحریر کرتے ہیں۔ ''وقتِ ورودِ خط، وقتِ رسیدنِ خط''

غالبؔ کے مزاج میں شوخی و ظرافت بلا کی تھی یہی سبب ہے کہ حالؔی ان کو حیوانِ ظریف کہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کے خطوط میں شوخی و ظرافت کی

(بقیہ صفحہ 41 پر)

غــــــــزلیـــــــــات

عبدالمجید فیضی سمبلپوری
12/106,Nayapara,Samblpur,Odisha,

مصیبت سے کبھی مت ہوناششدر
نہ طاری ہو ہراس وخوف دل پر
شبِ تاریک ہے اور ابرِ تیرہ
درختوں پہ ہیں جگنو نور گستر
حواسِ خمسہ کا ادراک قاصر
ہے غیب الغیب ذاتِ ربِ اکبر
پہنچ سے دور ہے پنچ اندریوں کی
نظر کیا آئے ایشور ہے اگوچر
سحر گہہ ظلمتِ شب پارہ پارہ
ہوا جیوں ہی درخشاں شاہِ خاور
جنوں ہے رہنمائے شوقِ منزل
خرد عنوانِ سنگِ میل و رہبر
جو نیتا کرتے ہیں فتنہ طرازی
وہی امن واماں کے ہیں پیمبر
ہیں افواہیں سبب ہر قتل وخوں کا
کبھی مت کیجے افواہوں پہ باور
نیوکلیر جنگ ہوگی فیضی جس دم
خدا جانے وہ ہوگا کیسا منظر

سلیم انصاری
H.I.G-3,AnandNagar
AdharTal.Jabalpur-482004

کبھی بدن کبھی چہرہ نہیں اترتا ہے
نظر میں اس کا سراپا نہیں اترتا ہے
ہو لاکھ سبز مگر بانجھ ہی ٹھہرتی ہے
وہ شاخ جس پہ پرندہ نہیں اترتا ہے
چراغ بجھ گئے سارے شجر برہنہ ہوئے
مگر ہواؤں کا غصہ نہیں اترتا ہے
سلیم درد کی شدت میں کھو گئے الفاظ
جو مجھ پہ شعرِ غزل کا نہیں اترتا ہے

رمیش پرساد کنول
Law&Order(A.D.M)Police
6/ManglamViharColony.AraGarden
RoadJagdeopathPatna-800014

اس کے تن میں بسی ہوئی خوشبو
میرے کمرے میں آ گئی خوشبو
بیلا چمپا کی رجنی گندھا کی
یار کی زلف میں سنی خوشبو
غیروں اپنوں میں فرق کر نہ سکی
سلسلہ پیار کا بنی خوشبو
فکر کانٹوں کا اس کو تھا کتنا
پھول سے جب جدا ہوئی خوشبو
یاد آتا ہے گھر کی ڈھولک پر
ماں کے ہاتھوں کی تھاپ کی خوشبو
جام کا تھا نشہ کنول جس دم
شربتی آنکھوں سے اڑی خوشبو

شارق عدیل
MohaalChobdar.P.O{Marhera
Dist:Etah-207401(U.P)

کبھی خوشی کے کبھی آگہی کے دشمن ہیں
مرے اصول مری زندگی کے دشمن ہیں
کرو نہ قید کبھی جگنوؤں کو مٹھی میں
یہ روشنی کے امیں تیرگی کے دشمن ہیں
تم ان کے قول وعمل میں تضاد پاؤگے
جو کہتے رہتے ہیں ہم گمرہی کے دشمن ہیں
ہے کس قدر یہاں نفرت دلوں میں پیوستہ
تمام لوگ یہاں دوستی کے دشمن ہیں
کریں بھی کیسے کسی غیر کی شکایت ہم
ہمارے اپنے ہماری خوشی کے دشمن ہیں
اب اس جزیرے میں شارق قیام مشکل ہے
یہاں کے لوگ ہر اک اجنبی کے دشمن ہیں

رازی ابوذر
HouseNo-1,3rdFloor.FrontSide
GaliNo-44.NearmadinaMasjid
ZakiNagar.Okhla.Delhi-110025

چلتی ہوئی تصویر بہت رنگ بھری ہے
پیکر ہی تو ہے عکس کی جو جلوہ گری ہے
آنکھیں جو کھلی ہیں تو ملا درسِ حقیقی
نے خواب کی دنیا ہے نہ وہ بے خبری ہے
بچ آیے ہیں کردار بھی دولت کے عوض میں
اس شہر میں الفاظ کی کیا سوداگری ہے
اک عمر ہوئی آج بھی گلدستۂ دل کے
سوکھے ہوئے پتوں میں کوئی شاخ ہری ہے
کافی ہے جنوں حاکمِ دوراں کے مقابل
کاغذ ہے، قلم ہے، مری آشفتہ سری ہے
روشن بھی نظر آیے تو سورج کی چمک سے
وہ چاند کی بستی جو ستاروں سے بھری ہے
گھر عالمِ ارواح ہے، دنیا ہے کہ جنت
رازی بڑی دل چسپ تری در بدری ہے

مظہر وسطوی
C/O:HasanManzil,RoadNo-06
AshiyanaColony.Baghmali
Haripur(Vaishali)-844101(Bihar)

آپ کا دیدار ہونا چاہیے
مرحلہ ہموار ہونا چاہیے
عشق کا اپنا مزہ ہے ہجر میں
کچھ نہ کچھ انکار ہونا چاہیے
مل سکے مرہم دلوں کے زخم کا
ایسا بھی بازار ہونا چاہیے
آدمی کو آدمی کے واسطے
صاحبِ کردار ہونا چاہیے
کامرانی کے لیے یہ شرط ہے
جذبۂ ایثار ہونا چاہیے
تاکہ اظہر دل سے دل مل جائیں سب
ہم کو خوش گفتار ہونا چاہیے

سید بصیر الحسن وفاؔ نقوی

HilalHouse.4/114.NaglaMohalla
Civil Line.Aligarh(U.P)

یہ جو رنگِ جمال ہے پیہم
دل کو تیرا خیال ہے پیہم
اک شجر کو گرا نہیں پائیں
آندھیوں کو ملال ہے پیہم
میں نہیں ہوں تو کون تیرا ہے
میرے لب پر سوال ہے پیہم
تم بلندی جسے بتاتے ہو
درحقیقت زوال ہے پیہم
دل میں کتنے خیال آتے ہیں
خوشبوؤں سے وصال ہے پیہم
بڑھتا جاتا ہے حسن دنیا کا
وہ مگر بے مثال ہے پیہم

مومن خاں شوقؔ

AshrafVilla.H.No-11-3-723
Mallapally.Hyderabad-500001
Mob-9985053093

یار بن جائیں جو اغیار تو پھر کیا ہوگا
پھول بن جائیں اگر خار تو پھر کیا ہوگا
ہر نیا دن نئی الجھن کو لیے آتا ہے
غم کی ہوتی رہی یلغار تو پھر کیا ہوگا
تم سے قائم ہے مری زیست میں خوشبوئے وفا
تم ہوئے مجھ سے جو بیزار تو پھر کیا ہوگا
زندگی عارضی ہے سوچ سمجھ کر چلیے
بجھ گیا شعلۂ رخسار تو پھر کیا ہوگا
ہم کہ مشتاقِ نظارہ ہیں مگر سوچتے ہیں
حسن بن جایے جو بازار تو پھر کیا ہوگا
چاہتیں مصر کا بازار ہوئیں شوقؔ یہاں
مِل نہ پایے جو خریدار تو پھر کیا ہوگا

سید محمد نور الحسن نورؔ نوابی

QazipurSharif.Fatehpur(UP)

ہر موڑ پر ہیں خوف کے لشکر کھڑے ہویے
جائیں کدھر سے بند سبھی راستے ہویے
رخ کارواں کا موڑ کے دیکھو ہے بات کیا
آواز دے رہے ہیں دریچے کھلے ہویے
باہر جو آیا دیکھا کہ دنیا بدل گئی
صدیاں گزر گئیں مجھے کچھ سوچتے ہویے
پھر کس کی چیخ گونجتی رہتی ہے رات بھر
برسوں سے جب مکاں میں ہیں تالے پڑے ہویے
درویش ملتفت نہیں ہوتا کبھی اُدھر
حالانکہ تخت و تاج ہیں در پر پڑے ہویے
اے نورؔ جب لہو کا لہو منحرف نہ تھا
وہ دور وہ زمانے تو آیے گئے ہویے

سبطین پروانہ

At Dilalpur.P.O:Salamari
Katihar-311558(Bihar)
Mob-9472217246

شعر کے لفظوں کو آئینہ بنا کر جاؤں گا
اس میں چہرہ ساری دنیا کا دکھا کر جاؤں گا
کام میرا ہے دلوں کو جوڑنا اے دوستو!
دشمنوں کے درمیاں بھی رابطہ کر جاؤں گا
میں دکھاتا ہی نہیں لوگوں کو کوئی سبز باغ
میں نے جو وعدے کیے ان کو نبھا کر جاؤں گا
اپنی دنیا اک سرائے کی طرح ہے دوستو!
یہ حقیقت سارے للوگوں کو بتا کر جاؤں گا
میرے بچے شاد ہوں دنیا میں پروانہ سدا
ان کے حق میں خیریت کی میں دعا کر جاؤں گا

بے نام گیلانی

KatraBagh.Nai Sarak.Bihar
Sharif.Nalanda-803101
Bihar.Mob-9334721370

ہوئی ہے کیسی ذلت کیا کہیں
لٹ چکی ہے جس کی عزت کیا کہیں
زاہدوں کی نیتیں بھی ہیں غلط
خاک اب آیے گی برکت کیا کہیں
ان کو ہی کہتے ہیں اہلِ فکر ہم
جن کے شعروں میں ہو ندرت کیا کہیں
آدمیت اب تو عنقا ہوگئی
آج بس باقی ہے وحشت کیا کہیں
جس کی قسمت میں غلامی آگئی
اس کو کیا حاصل ہو جرأت کیا کہیں
فاقہ کش ہیں حضرتِ بے نام ہم
ہاں مگر حاصل ہے شہرت کیا کہیں

کے انیس اظہرؔ

Khateeb Street.Periyapet
Vaniyambadi.Vellore(T.N)

جو تھا وہ خیر کا جذبہ ہوا کیا
بتائیں آپ ہے یہ ماجرا کیا
ہم انساں ہیں ہماری زندگی میں
نہ ہو احساسِ غم تو پھر رہا کیا
مسیحا خود بھی اس پر ہے پریشاں
مریضِ غم کی ہے آخر دوا کیا
جو مرجانے کو بہتر جانتا ہو
اسے دیتے ہو جینے کی دعا کیا
ہمارا غم ہے فولادی اے اظہرؔ
اسے کوئی مٹایے گا بھلا کیا

ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی

At&P.O:KanhowliBhandar
Via:Bhutahi.843317
Dt:Sitamarhi-(Bihar)

کیا کروگے لے کے ایسی مان کا
جس میں ہو شامل نہ جز ایمان کا
جس میں ہے انسانیت کی خوبسی
نام چلتا ہے اسی انسان کا
عظمتِ سرکار کرتا ہے بیاں
ہر سپارہ، صفحہ اس قرآن کا
مفلس و نادار کی امداد سے
ہوتا ہے صدقہ ادا اس جان کا
ہو عمل کردار میں یکسانیت
ہے تقاضا مومنوں ایمان کا
زر ندار دعشق ٹیں ٹیں اے وصی
ہوگا کیا دل میں بسے ارمان کا

امتیاز بن عزیز

StationRoad.NearMasjid
P.O:Bhaga.Dist:Dhanbad-828301
Jharkhand

زندگی یوں بسر نہ ہو جایے
درد ہی ہم سفر نہ ہو جایے
اس ترقی سے سب کو خطرہ ہے
"زندگی مختصر نہ ہو جایے"
ڈر ہے دیوار گر گئی جو کبھی
گھر مرا رہگزر نہ ہو جایے
بیش قیمت تمام لمحوں پر
حاسدوں کی نظر نہ ہو جایے
غم کے لمحات کا عزیز کہیں
تیرے دل پر اثر نہ ہو جایے

ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن بزمی

HomeoShifaKhana.Rahmat
Colony.Doranda.Ranchi-834002

دورِ حاضر کا حال مت پوچھو
گردشِ ماہ و سال مت پوچھو
کون ہوں، کس جہاں سے آیا ہوں
اتنا مشکل سوال مت پوچھو
گزرے لمحوں سے رابطہ رکھنا
کس قدر ہے محال مت پوچھو
داستانِ عروج رہنے دو
مجھ سے وجہِ زوال مت پوچھو
کٹ گئی راہ جب تعلق کی
دل میں کیوں ہے ملال مت پوچھو
تاب سننے کی جب نہیں تم میں
درد و غم کا مآل مت پوچھو
بزمِ یاراں ہے اور میاں بزمی
جادۂ اعتدال مت پوچھو

انجینئر عزیز تنویر کوٹوی

ZeeshanHouse.NearSufiShahbaz
Madrasa.BakraMandi.SomalpurRoad

تعجب ہے نظر سے جلوہ سامانی نہیں جاتی
جمالِ یار کی آنکھوں سے تابانی نہیں جاتی
ترے جلووں نے ایسی حیرت کامل عطا کردی
کہ اب میری کسی صورت بھی حیرانی نہیں جاتی
نہ ہوتا راز افشا عشق کا، میں کیا کروں لیکن
ان آنکھوں سے مری اشکوں کی طغیانی نہیں جاتی
تری صورت فقیرانہ مگر انداز شاہانہ
حجازی تیری فطرت سے تو سلطانی نہیں جاتی
چمن کے گل ہیں شاید مصر کی تاریخ سے واقف
یوں ہی ان کی قبا سے چاک دامانی نہیں جاتی
وراثت دے گئے تنویر کو یہ جوہر و روشن
یوں ہی اس کی طبیعت سے سخن دانی نہیں جاتی

احمد امام بالاپوری

ChudiMahal.Balapur
Dist:Akola-444302(M.S)

اگرچہ مسئلہ در پیش تیغ و تیر کا ہے
ہے جائے شکر کہ اونچا سر اس فقیر کا ہے
ہم اپنے طرزِ بیاں کے اکیلے خالق ہیں
ہمارا لہجہ نہ غالب کا ہے نہ میر کا ہے
زمانہ چاہیے ایثار تک پہنچنے میں
اگر چہ فاصلہ اک ہاتھ بھر لکیر کا ہے
کسی کی چاکِ گریباں پہ مسکرا دینا
مرا طریق نہیں ہے، یہ بے ضمیر کا ہے
کسی کے سامنے سر خم کبھی نہیں ہوتا
اثر بھرا ہوا مجھ میں مرے خمیر کا ہے

شکیل ارمان

LalaHariCharanPath.
P.O:Garulia
Dist:North24Pargnas
WestBengal-743133

اپنی آنکھوں کے بہتے پانی کا
کیا کریں ہم تری نشانی کا
لوگ صدیوں جسے بھلا نہ سکے
میں وہ کردار ہوں کہانی کا
کوئی خانہ بدوش سے پوچھے
کیا ہے دکھ درد لامکانی کا
کشتیٔ نوح بس سلامت تھی
دور ورنہ تھا صرف پانی کا
ہم بھی کرتے تھے دل پہ راج کبھی
دور جب تک رہا جوانی کا
ماں کو خوش رکھنا ہر طرح سے شکیل
یہ وسیلہ ہے کامرانی کا

مرغوب اثر فاطمی

Road No.7.MohallaAliganj
Gaya-823001(Bihar)

آرائشِ صورت کرتے ہیں
ظاہر کی عبادت کرتے ہیں
چہرے تو بڑے معصوم ہیں پر
اعضا ہی شرارت کرتے ہیں
بیداری شہوت کے صدقے
ادراک کو رخصت کرتے ہیں
کچھ جرم تلاشِ ذات نہیں
تخمینۂ سیرت کرتے ہیں
مانا ہے قناعت چیز بڑی
کیوں ترکِ مشقت کرتے ہیں
موضوع میں تنوع لا کے اثر
غزلوں کی حفاظت کرتے ہیں

ارشد مینا نگری

PlotNo-28, 51,Mominpura.
SurveyNo-19.Malegaon

جل گیا آنسوؤں سے روئے دل
رہ گئی لٹ کے آبروئے دل
نظریں پڑتی ہیں صرف نظروں پر
کوئی تکتا نہیں ہے سوئے دل
واسطہ اس کو کیا محبت سے
جانتا ہی نہیں جو خوئے دل
دل بہر حال فقط دل مانگے
دل کو رہتی ہے جستجوئے دل
پتھروں سے نہ بات کر دل کی
دل ہی سمجھے گا گفتگوئے دل
دل کبھی مطمئن نہیں ہوتا
پوری ہوگی نہ آرزوئے دل
رُت کو پُر کیف بنایے ارشد
نور ونکہت، سرور، بوئے دل

عزیز بلگامی

No-K-102, 1-2.SaleemManzil
1stMain.2ndCross.1st.Flo9or
VenkatgowdaLayout..Kempapura
HabbalP.O.Bangluru-560024

میری غزل کا ایک بھی انداز دیکھنا
یہ ہوگی سب ست بزم میں ممتاز دیکھنا
جس کو چھپانے لاکھ جتن کر رہا ہے تو
تیرا عمل ہی کھولے گا وہ راز دیکھنا
تو اہلِ زر کا حاشیہ بردار گر نہیں
بھولے سے نہ خواب میں اعزاز دیکھنا
فنکار بے شمار ہنر مند ہیں کئی
ہیں کتنے ان میں فکر کے جاں باز دیکھنا
خوگر ہیں رینگنے کے ہمارے جوان آج
ان کے نصیب میں نہیں پرواز دیکھنا
چیخوں میں نغمگی بھی ہے شاید اسی لیے
سارا جہاں ہے ”گوش بر آواز“ دیکھنا
سر پر بٹھا رہے ہیں عزیز آج تم کو لوگ
کر دیں گے ایک دن نظر انداز دیکھنا

منور علی تاج

WazirParkColony.NearMasjid
Ujjain-456001(M.P)
Mob-7000447654

پیار کی جب نگاہ کرتا ہوں
حسن کو بے پناہ کرتا ہوں
خوش دلی سے صلاح کرتا ہوں
بے وفا سے نباہ کرتا ہوں
چاہ کو روسیاہ کرتا ہوں
میں انا کو تباہ کرتا ہوں
خامیوں پر سخن کی میں اپنی
روز اپنی نگاہ کرتا ہوں
اپنے اشعار کی فصاحت پر
سامعیں کو گواہ کرتا ہوں
تاج دل سے نکلتی ہے جب بھی
آہ پر واہ واہ کرتا ہوں

اجمل محسن

H.No-1-9-1053.PostalColony
Subedari.Hanamkonda
Dist:Warangal-506001(T.S)

ستم ڈھاتے خطا کیا ہے بتا کے
تو سہہ لیتے اسے ہم مسکرا کے
ستم گر ہو خدا تو تم نہیں ہو
اکڑتے ہو چمن کو کیوں جلا کے
یہ دعویٰ ہے کہ تم بھی رو پڑو گے
ہمارا حال دیکھو گے جو آ کے
لٹے گلشن کی ان بربادیوں کا
”تماشا دیکھئے تشریف لا کے“
میں تم کو مان لوں گا کہ خدا ہو
دکھا دو پتھروں پر گل کھلا کے
بنا کے ہم کو محسن گر رکھو گے
رکھیں گے تم کو بھی دل میں بسا کے

احمد ندیم مورسنڈوی

No-K-102, 1-2.SaleemManzil
1stMain.2ndCross.1st.Flo9or
VenkatgowdaLayout..Kempapura
HabbalP.O.Bangluru-560024

نہ پیار وار ہوتا، نہ بے قرار ہوتا
یہ روز و شب کسی کا نہ انتظار ہوتا
مٹی کا اک کھلونا بچے کو دے نہ پایا
تاروں کو توڑ لاتا جو اختیار ہوتا
یوں مشکلیں نہ ہوتیں درپیش ہر قدم پر
جب زندگی کا لمحہ بھی ساز گار ہوتا
اجداد سے میں اپنے کرتا اگر بغاوت
پھر زندگی کا گلشن اک خار زار ہوتا
جاں سے گزر ہی جاتا گر حکم مجھ کو دیتے
”تم کو وفا پہ میری کچھ اعتبار ہوتا“
کہتا ندیم اس کو حال اپنا میں خوشی سے
میرا اگر کوئی بھی اک رازدار ہوتا

افسانہ

سراج فاروقی
NaazApartment
RoomNo-305,3rdFloor
WadgharMuslimMohalla
nearCollegePhata
Panvel-410206
Dist:RaigadNaviMumbai(M.S)

شام نے جب تاریکی کا گھونگھٹ اوڑھا۔عابدعلی کو فراغت نصیب ہوئی۔وہ گیراج میں پینٹنگ کا کام کرتا تھا۔دبلا پتلا، گیہواں رنگ، پستہ قد، لیکن بلا کا پھرتیلا۔وہ سائیکل کے پیڈل مارتا چلا جارہا تھا۔اس کے ذہن کے مونیٹر پر فلش ہوا۔ماں کی دوا لینی ہے۔پچھلے دنوں اس نے ماں کی آنکھ کا آپریشن کرایا تھا۔ڈاکٹر نے ایک ڈراپ تجویز کیا تھا۔چلتے چلتے اسے دوافروش کی دکان مل گئی تھی اور اس نے دوا خریدلی۔

ایک بار پھر وہ سائیکل پر سوار ہو چکا تھا۔گرمی شباب پر تھی۔اس کے انداز کے مطابق اب تک بارش کو آجانا چاہیے تھا۔مگر بارش ابھی تک نہیں آئی تھی۔پسینہ سر سے نکل کر مختلف زاویوں سے چہرہ پر بہہ رہا تھا۔اچانک اس کا ذہن گھر کی جانب مُڑ گیا۔اسے وہ منظر دکھائی دینے لگا۔جہاں اس کی بیوی مٹی کے چولہا کے آگے بیٹھی۔دھوئیں میں گھری ہے۔اس کی آنکھیں سرخ ہیں۔پورا وجود پسینہ سے شرابور ہے۔بچے اس کے پاس کھڑے رکابی، کٹورا ہلاتے کہہ رہے ہیں۔

''اماں کھانا دے.........کھانا دے............!''

وہ کبھی چولہا پھونکتی۔کبھی ان پر جھنجھلاتی ''پک جانے دے............پھر دیتی ہوں..........جاہٹ.........!''

مگر بچے ہیں کہ مانتے ہی نہ تھے۔ایک دو پل کے لیے خاموش ہو جاتے۔پھر وہی رَٹ اور سر پر سوار۔

بوڑھی ماں جھنگئی کھاٹ میں دھنسی بیٹھی اُونگھ رہی ہے۔ہاتھ کا پنکھا کبھی دائیں تو کبھی بائیں ڈول جاتا ہے۔کبھی رک بھی جاتا ہے۔

عابدعلی کے ذہن نے کروٹ لی۔اسے خیال آیا۔بیوی نے کہا تھا۔گوشت لے کر آنا۔بہت دن ہو گیا ہے کھایا نہیں ہے۔دل کر رہا ہے۔گوشت کھاؤں۔اس نے چلتے چلتے، جیب ٹٹول کر اندازہ لگایا۔اس کے پاس، اب اتنے روپے نہ تھے کہ وہ گوشت خرید لیتا۔رنج و ملال کے سیاہ بادل نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔اسے موجودہ حکومت پر غصہ آیا۔کیونکہ موجودہ حکومت نے ذبیحہ پر پابندی عائد کردی تھی۔وہ تھا تو ہفتے عشرے میں گوشت میسر آجاتا تھا۔بکرے کا گوشت اس کی حیثیت سے باہر کی چیز تھی۔ویسے وہ کل بھی حیثیت سے باہر ہی تھا۔مگر اب کچھ زیادہ ہی دور چلا گیا تھا۔وہ موجودہ حکومت کو کوسنے لگا تھا۔یہ کیسی حکومت ہے؟ جو لوگوں کا نوالہ چھین لے رہی ہے۔لعنت ہو اس پر۔خدا کی مار ہو اس پر۔

وہ رام گمن روڈ پر پہنچا، تو اسے چار پانچ نوجوان مل گئے تھے۔اسے روک لیا۔

''اے تیرا نام کیا ہے..............؟'' ایک نے سوال کیا۔

''کیا کام ہے...............؟'' عابدعلی نے غصہ دکھایا۔

''بتانا..........؟'' دوسرا نوجوان پان کی پیک تھوکتے ہوئے دہاڑا۔

''کیوں.............؟'' عابدعلی نے دوبارہ سوال کیا۔

''اے سالے! بتانا...............؟'' تیسرا سگریٹ کا دھواں اس کے منہ پر چھوڑ دیا تھا۔

عابدعلی کو غصہ تو بہت آیا۔مگر وہ غصہ کو پی گیا تھا۔کرتا بھی تو کیا؟ کیونکہ وہ تنہا تھا اور وہ کئی لوگ تھے۔وہ ان کے نرغے میں گھر چکا تھا۔فرار کی کوئی راہ نظر نہ آتی تھی۔اس نے مجبوراً اپنا نام بتا دیا۔

''سالا!...........مسلمان ہے.........!'' ایک نوجوان برا سا منہ بنایا اور زمین پر تھوک دیا۔

''تو کیا ہوا..............؟'' عابدعلی نے جیسے احتجاج کیا۔

ایک نوجوان بولا ''تم سالا! مسلمان لوگ.....کھاتا ہندوستان کا اور گاتا پاکستان کا ہے.................''

''میں ایسا نہیں کرتا ہوں...............'' عابدعلی نے جواب دیا۔

''تُو نہیں کرتا تو کیا ہوا؟...............تیری ذات والے تو ایسا ہی کرتے ہیں، سالے..............!''

''مجھے ان سے کیا لینا دینا.............!''

”سالے! تیرے کو ہونہ ہو............ہمیں تو لینا بھی ہے اور دینا بھی ہے............!“اس نے داد طلب نظروں سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

عابد علی شش و پنج میں پڑ گیا۔اب کیا کہے؟ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا؟ وہ بت کی مانند خاموش کھڑا تھا۔

تبھی ایک نوجوان دہاڑا،”اے جے شری رام بول............!“

عابد علی ہکا بکا رہ گیا۔اب وہ اتنا شعور تو رکھتا ہی تھا کہ یہ اس کے لیے قبیح فعل ہے۔وہ کیسے کہتا؟ وہ سراسیمہ کھڑا رہا۔اس کے دل و دماغ کے آسمان پر کسی انہونی کا سایا منڈلانے لگا۔

ایک نوجوان اس کے پیٹ میں گھونسہ مار دیا،”بول سالے............!“

دوسرے لڑکے نے بھی کہا،”بھو......... کا بول نا..........!“

عابد علی نے مارے جھنجھلاہٹ میں کہا،”نہیں بولوں گا............!“

اب کیا تھا؟ لاتوں،گھونسوں اور مغلظات کی بارش ہوئی اور ساتھ ہی یہ ضد کہ جے شری رام بول۔ان کی مار سے کبھی وہ اِدھر گرتا۔کبھی اُدھر گرتا۔بچاؤ بچاؤ کی صدا کے درمیان وہ اپنے دفاع کی ہر ممکن کوشش کرتا رہا۔لیکن وہ بچ نہ سکا تھا۔آخر کار! وہ لہولہان ہوکر زمین پر گر کر بے ہوش ہوگیا تھا۔ایسی حالت میں بھی وہ اسے مارتے اور گالیوں کی گردان کرتے رہے۔جے شری رام بولنے کی ضد پر اَڑے تھے۔

کچھ دیر بعد، ان کی ساری دل کی کلفتیں مٹ چکیں یا وہ تھک ہار کر ،ایک ایک کر کے رک گئے۔اور جے شری رام کا پرجوش نعرہ لگاتے، وہاں سے رخصت ہوگئے تھے۔

رات نے اس ہیبت ناک منظر کی پردہ پوشی کی۔ستاروں نے اس پردے کو چاک کرنے کی جدوجہد کی لیکن ناکامی کی گرہ ہاتھ لگی تھی۔شبنم نے جب یہ منظر دیکھا،اس کا کلیجہ چاک ہوگیا۔آنکھ سے آنسوؤں کے قطرے ٹپک پڑے اور صبح کے چہرے کو چُھوا۔صبح کی آنکھ کھل گئی۔سارا منظر عیاں ہوگیا۔ایک بندۂ خدا کی نظر اس پر پڑ گئی۔اس نے پولس کی اطلاع دی۔پولس نے سرگرمی دکھائی۔

اس کو انتہائی نگہداشت میں داخل کیا گیا۔پورے چوبیس گھنٹوں کے بعد،اسے ہوش آیا۔ڈاکٹروں کے چہروں پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ایک ڈاکٹر نے لپک کر اس سے پوچھا۔

”اب،کیسی طبیعت ہے آپ کی..........؟“

عابد علی نے پژمردہ لہجے میں جواب دیا،”ج.........جے.........جے شری رام.........!“

☆☆☆

مرغوب اثر فاطمی
RoadNo-7, Mohalla AliGanj
Gaya-823001(Bihar)

غزل

اس مہرباں کی ہم پہ نوازش بہت ہوئی
ہر بار سر جھکانے کی خواہش بہت ہوئی

جادوگری کی سمت نگاہیں نہیں گئیں
گرچہ ہمارے دل کی سفارش بہت ہوئی

تشکیک و احتمال میں غارت ہوئی یہ عمر
ہم سے مشاہدات میں لغزش بہت ہوئی

پنجوں کو روک لیتی تھی دیوارِ مصلحت
یوں تو سگِ جنون کو خارش بہت ہوئی

زرِ خیزیوں کا عنوان' تباہی کا پیش رو
”سیلاب کہہ رہا ہے کہ بارش بہت ہوئی“

جب تک وہ عیب ڈھکتا تھا اپنے' غلط نہ تھا
صد حیف! مدح خوانی کی خواہش بہت ہوئی

تیری بساط کیا ہے اثرؔ اس کو یاد رکھ
تقلید بر تعلّیٰ و نازش بہت ہوئیں

افسانہ

ڈاکٹرعزیزاللہ شیرانی
FarhatManzil KaliPalton
NearDiwanJikaKuan
Tonk-304001(Rajasthan)

رنگ چھوڑتی حنا

ارشد بھائی! بات برداشت سے باہر ہو چکی ہے۔ میں باجی سے ضرور کہوں گی کہ وہ ہمیں چھوڑ کر کہاں جاتی ہیں؟ حد ہوتی ہے، یہ بھی نہ صبح دیکھتی ہیں نہ شام بس آنا جانا لگا رہتا ہے۔ اتنا بھی کیا گھر سے باہر رہنا؟

حنا کو غصہ بہت آ رہا تھا اور ارشد بھائی اسے سمجھا رہے تھے۔

حنا! تمہاری یہ بڑی بھول ہوگی، تم ایسا ہرگز نہ کرنا۔

لیکن حنا کا غصہ کسی طرح کم نہیں ہو رہا تھا، وہ یہ کہنے سے نہیں چوکی۔

ارشد بھائی! تم باجی سے ڈرتے ہو، آخر وہ تمہاری بیوی ہیں اور تم بزدلی کی زندگی گزار رہے ہو۔ مگر میں اب ایسا کبھی ہونے نہیں دوں گی۔ میں باجی سے گھر سے باہر رہنے کی وجہ ضرور معلوم کروں گی۔

جیسے ہی باجی آئیں اور سیدھی حنا کے پاس گئیں، حنا کے چہرے کی لکیروں پھر اس کے ہاتھوں کی طرف نظر دوڑائی اور پوچھا۔ حنا! تم یہ کیا کر رہی ہو؟ تمہارے ہاتھوں میں یہ کیا ہے؟ ......مہندی......یہ مہندی لگانے کا کوئی وقت ہے؟ تم نے بغیر اجازت میری مہندی کو کیوں چھیڑا؟ یہ مہندی تم نے کیوں لگائی؟ یہ تمہارے لئے نہیں ہے، تم فوراً اپنے ہاتھ دھولو، یہ مہندی صرف میری ہے......صرف میری۔

حنا باجی کے بول نہیں سمجھی کہ "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" وہ بولی، ہاں باجی.....یقیناً یہ مہندی آپ کی ہے، اگر میں نے لگا بھی لی تو اتنی لال پیلی کیوں ہو رہی ہو؟ کیا اس پر میرا حق نہیں ہے؟ حنا کی گستاخی پر باجی کو اور غصہ آ گیا۔ وہ بولیں، حنا تم یہ کیا کہہ رہی ہو؟ چپ ہو جاؤ.....اپنے بڑوں سے کیا اس طرح بات کرتے ہیں۔ باجی کی ناراضگی اور ہدایت کو سن کر حنا نے کہا، مگر باجی ایک شرط پر مہندی کا لیپ ہٹا سکتی ہوں۔

باجی نے کہا، مجھے منظور ہے......تم فوراً اپنے ہاتھ دھولو۔

لیکن حنا کے دماغ میں وہ سوال کھٹک رہا تھا جس کو پوچھنے کے لئے وہ باجی کی منتظر تھی اور اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور باجی کا دھیان بٹاتے ہوئے بولی......باجی پہلے یہ بتائیے کہ آپ ہمیں چھوڑ کر کہاں جاتی ہیں؟ ہمیں ساتھ لے کر کیوں نہیں جاتیں۔

باجی کچھ دیر کے لئے فکر میں پڑ گئیں اور اپنی بہن سے کہنے لگیں۔

حنا! میری پیاری بہن! تم یہ سب کیوں جاننا چاہتی ہو؟ کیا تم اس کو برداشت کر سکو گی؟......تو سنو......میں ایک بیساکھی ہوں۔ تمہاری اور تمہارے دلہا بھائی ارشد کی۔ تم میں اور مجھ میں صرف اتنا فرق ہے کہ تم بزرگوں کی اس حویلی کے اندر رہتی ہو اور میں باہر۔ میری بہن.....ہم حالات کی بیساکھی ہیں۔ کاش! ہمارے امی ابو زندہ ہوتے تو تم یہ سوال نہ کرتی اور مجھے بھی حویلی چھوڑ کر باہر نہیں جانا پڑتا۔ تم جانتی ہو ہمارے خاندان میں کوئی لڑکی گھر سے باہر نہیں نکلی۔ یہاں تک کہ تمہارے ابو نے تمہارے دولہا بھائی سے میری شادی بھی اسی شرط پر کی تھی کہ ہماری لڑکی گھر سے باہر نہیں جائے گی اور تمہارے دولہا بھائی نے ابو کی شرط منظور کر لی تھی۔ لیکن وقت بدلتے اور حالات بگڑتے دیر نہیں لگتی۔ ہماری بھی اچھی خاصی زندگی تھی تمہارے دولہا بھائی ہمارے ساتھ ہی رہے، لیکن یہ منحوس دن بھی ہماری قسمت بن گئے۔ ہوا یوں کہ ایک دن تمہارے دولہا بھائی کا موٹر سائیکل سے ایکسیڈنٹ ہو گیا اور وہ اپاہج اور لاغر ہو گئے۔ اب میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی گھر سے باہر نکلی اور نوکری کی......مگر حنا......جب بزرگوں کا خیال آتا ہے تو رونا آتا ہے اور پھر تمہارا خیال بھی آتا ہے۔ میری بہن میں چاہتی ہوں کہ مجھے کوئی بھی تکلیف ہو تو میں اسے برداشت کر لوں گی۔ لیکن میں نہیں چاہتی کہ تمہیں کوئی تکلیف ہو.....یہ شہر بہت بڑا ہے یہاں کوئی نہیں جانتا کہ کون کیا کر رہا ہے. کون کہاں جاتا ہے، اور کون کہاں کیا کر رہا ہے یہ سب فضول کی باتیں ہیں۔ حنا! تم اس چکر میں نہ پڑو تو بہتر ہے۔ میں تمہیں یہ یقین دلاتی ہوں کہ میں ایسا کوئی کام نہیں کرتی جس کے سبب میرے خاندان والوں کو نظریں جھکانا پڑے۔

میری بہن! بتاؤ میرا اس دنیا میں کون ہے؟......کوئی نہیں...میں تمہارے لے اپنی جان بھی دے سکتی ہوں۔

باجی کے اتنا سمجھانے پر بھی حنا کچھ سمجھ نہیں رہی تھی، وہ اپنی باجی سے کہنے لگی، واہ! واہ! باجی تم بھی خوب ہو......گھر سے باہر رہتی ہو اور کہتی ہو وفا شعار ہوں تمہارا خیال رکھتی ہوں۔ بھئی واہ! کیا خواب خیال ہے؟

حنا کی باتوں پر باجی کو غصہ آ گیا۔ کہا دیکھو حنا!......تم میرا مذاق اڑا رہی ہو، تم کچھ بھی نہیں سمجھو گی۔ خدا کے لئے اب کوئی سوال مت کرنا۔ "چپ بھی ہو جاؤ"۔

(بقیہ صفحہ 54 پر)

افسانہ

شیخ بشیر احمد
TengaporaNawabBazar
Srinagar(Kashmir)
Mno::6005368893

کسی سے کیا گلہ....؟

وہ رات مشتاق کے لیئے جتنی تکلیف دہ تھی اتنی وہ اس کے لئے خاص تھی۔وہ بڑا اداس تھا اور پریشانی کے عالم میں اپنے بستر پر پڑا رو رہا تھا۔اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس مسئلے کو کس طرح سلجھایے۔تا کہ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

رات کا وہ آخری پہر تھا، چاروں طرف گھنگھور اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔باہر سے سائیں سائیں کرتی ہوئی تیز وتند ہوا کے جھونکوں کی صدائیں سنائی دے رہی تھی کبھی دور کسی ویرانے میں بادل پھٹنے اور کبھی ٹپ ٹپ برستی بارش کی آواز عجیب سی سنسناہٹ پیدا کر رہی تھی۔مگر یہ سب دل ہلا دینے والی آوازیں اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔اس کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات اس سے بھی تیزی سے گردش کر رہے تھے۔

پر وہ کرے بھی تو کیا کرے۔گھر کی عزت داؤ پر لگی تھی۔اسے کیا معلوم تھا کہ حالات وواقعات اسے اس موڑ پر لا کھڑا کر دیں گے، جہاں اس کے سامنے اندھا کنواں اور پیچھے گہری کھائی تھی۔

بے چارہ اس رات ٹھیک سے سو نہ سکا۔دل اور دماغ میں کشمکش چل رہی تھی۔کئی بار کروٹیں بدلتا رہا اور کنکریٹ سے بنی چھت عمارت کی چھت کو تک رہا تھا رہ رہ کر اس کے کانوں میں اس کی بیوی کی باتیں گونج رہی تھیں۔جو اسے کسی پل سکون لینے نہیں دیتا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ کل تک جو بہو ساس کی تعریف کرتے کرتے نہ تھکتی تھی اور ساس کی ناک پر مکھی کو بیٹھے ہوئی برداشت نہیں کرتی تھی۔آج ساس اس کی آنکھوں میں کھٹکتی ہے،اسے راستے کا پتھر سمجھتی ہے،اور اپنے دل میں اس کے خلاف نفرت کی آگ سلگائے بیٹھی ہے۔

شروع شروع میں مشتاق علی نے اسے سمجھانے کی کافی کوشش کی۔ڈرایا دھمکایا بھی کہ شاید وہ اپنی ضد چھوڑ دے اور سدھر جائے۔مگر ایسا نہ ہوا۔وہ ہر بار ناکام رہا۔کہتے ہیں کتّے کی دم سیدھی نہیں ہوتی، کیا مجال کہ وہ اپنے کرتوتوں سے باز آتی۔

ابھی اس واقعہ کو زیادہ عرصہ نہ ہوا۔جب ایک دن اچانک ڈاکٹروں نے اپنی تشخیص سے مشتاق علی کی ماں کے دل میں چھید ہونے کا انکشاف کیا۔اس نے ایکسرے سے لے کر آپریشن تک کے سارے مصارف پر روپیہ پانی کی طرح بہادیا۔

جو اس کی بیوی کو ناگوار گزرا۔وہ کہا کرتی کہ یہ سب کسی سرکاری ہسپتال میں رعایتی اخراجات میں ہوسکتا تھا نا کہ پرائیویٹ نرسنگ ہوم میں کرنا ضروری تھا۔اسی بات کو لے کر اس نے گھر میں ایک ہنگامہ بپا کر دیا تھا۔

چنگاری کا اٹھنا تھا کہ دیکھتے دیکھتے گھر میں آگ لگ گئی۔اور آگ ایسی تھی کہ گھر کے امن وامان اور ماحول کو تہس نہس کر دیا۔آپس میں اتنی دوریاں بڑھ گئیں جس کے سبب آہستہ آہستہ ان کے دلوں میں کڑواہٹ کا روپ لے لیا اور مشتاق علی چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پستا رہا۔

ایک دن یوں ہوا کہ مشتاق علی دفتر سے گھر لوٹا اور معمول کی طرح کپڑے تبدیل کرنے اپنے کمرے میں گیا تو اس کی بیوی کسی کام سے اس کے کمرے میں آئی۔کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں، باتوں باتوں میں اس نے بڑے پیار سے شوہر کے گلے میں بانہیں ڈال کر اسے ماں کے بارے میں جو کچھ کہا اس سے اس کے دماغ کا فیوز اڑا دیا اور وہ اسے ہونقوں کی طرح دیکھتا رہا۔

وقت سرکتا رہا، مگر مشتاق علی کی بیوی کے دل کی چنگاری ابھی ٹھنڈی نہیں تھی۔اس لگا کہ وہ اپنے مقصد میں ناکام ہوئی تو اس نے پینترا بدلا اور ساس کے خلاف اوٹ پٹانگ بکنا شروع کر دیا۔جب بھی مشتاق علی دفتر سے تھکن سے نڈھال ہو کر گھر لوٹتا تو وہ اس کے آتے ہی اپنا دکھڑا لے کر بیٹھ جاتی۔شکایتوں کا پٹارا کھول کر بین بین روتی۔کبھی تو بے وقت کی راگنی کی طرح ساس کے خلاف شاید کچھ نہ کچھ بولتی رہتی۔شاید نادانی اور نا سمجھی نے اس کی آنکھوں میں پٹی باندھ دی تھی۔

مشتاق علی فطرتاً شریف طبع اور سنجیدہ آدمی تھا۔کسی کے منھ لگنا پسند نہیں کرتا تھا اور نہ ہی اس کی زبان سے نامعقول الفاظ نکلتے تھے۔اس نے سوچا کہ بیوی اپنی ہٹ دھرمی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں، لہٰذا اسے سمجھانا بے کار ہے اور خاموشی سے سب کچھ سہہ لیتا تھا۔کیونکہ سمجھاتے سمجھاتے وہ تھک بھی گیا تھا۔آخر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ جتنی نادان اور ناسمجھ ہے اتنی ہی ڈھیٹ اور ضدی بھی۔جسے بھلے برے میں فرق کرنے کی کوئی تمیز نہیں اور نہ بڑوں کے ساتھ پیش آنے کا شعور وسلیقہ۔بہتر یہ ہے کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔دیکھیں اونٹ کس کروٹ بیٹھے۔

وقت کا پرندہ پرواز کرتا گیا

اس دوران مشتاق علی کی بیوی نہ اپنی روش بدلی اور نہ ہی اس کے تیور میں کوئی تغیر وتبدیلی آئی۔ جب وہ سارے تیر آزما کر تھک گئی اور اپنے ترکش میں سوائے ایک تیر کے کچھ نہ بچا تو چند دنوں بعد ہی اچانک بنا کچھ کہے سنے اپنے دونوں بچوں کو اپنے ساتھ لے کر میکے چلی گئی۔ دوبارا پلٹ کر نہیں دیکھا، اس طرح اس نے خود کو ان کے لئے پرایا کرلیا۔

اپنی اجڑتی دنیا دیکھ کر آخر مشتاق علی نے ذہنی کشمکش سے نجات پانے کے لئے اس رات دل میں انوکھا فیصلہ کرلیا۔ نہ جانے وہ فیصلہ اس نے محبت میں مجبور ہو کر لیا یا تنہائی کے ڈر نے اسے مجبور کر دیا۔ وہ رات اس نے جاگ کر انگاروں پر کاٹی اور صبح ہو نے کا انتظار کرتا رہا۔ صبح اٹھ کر نہ جانے ماں کو کیا پٹی پڑھائی کہ وہ اسے اپنے ساتھ کار میں لے کر گھر سے نکل گیا۔ ابھی وہ گھر سے نکلا ہی تھا کہ سامنے ڈاکیہ ہاتھ کے اشارے سے رکنے کہتا ہوا نظر آیا۔ اس نے فوراً کار روک لی۔ پوسٹ مین نے اس کے ہاتھ ایک رجسٹرڈ بند لفافہ دے کر چلا گیا۔ مشتاق علی نے عجلت سے لفافہ پھاڑ دیا، اور دیکھا اس میں عدالت کی جانب سے بھیجی گئی نوٹس برآمد ہوئی۔ پڑھتے پڑھتے اس کا سر چکرانے لگا۔ اس کا جسم سرد پڑ گیا، ماتھے پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے اور چہرا پیلا پڑ گیا جیسے کسی نے اس کے بدن سے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ وہ یقین اور بے یقینی عالم میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسکی بیوی ایک معمولی بات پر عدالت سے رجوع ہو کر اسے طلاق لینے کی مانگ کی ہے۔

جوں ہی اس نے اس جانکاہ خبر ماں کو سنانے کے لئے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا، ہاتھ پاؤں شل ہونے لگے اور دماغ کی نسیں پھٹنے لگیں۔ نہ جانے کب سے اس کی ماں سیٹ پر بیٹھی ایک طرف لڑھک گئی تھیں۔ جیسے وہ بیٹے کے ارادے کو پہلے سے بھانپ چکی تھی کہ وہ اس کو اولڈ ایج ہوم میں چھوڑنے لئے جا رہا ہے۔

☆☆☆

رنگ چھوڑتی حنا کا بقیہ)

یہ سن کر ارشد بھائی اپنی وہیل چیئر گھماتے ہوئے آگے آئے اور سیدھے حنا سے مخاطب ہوئے۔ تم اپنی باجی سے جو معلوم کرنا چاہتی ہو۔ وہ میں تمہیں بتاتا ہوں تمہاری باجی واقعی میری اور تمہاری مددگار ہیں ہمدرد ہیں، وہ جہاں بھی جاتی ہیں صرف ہمارے لئے جاتی ہیں۔ یہ حویلی کا ساز وسامان، آرائشی چیزیں، سب ہی ان کی امانت ہیں۔ اور انہوں نے بزرگوں کی نشانیوں کو قائم رکھا ہے۔ بس اب حنا!.......تم اپنی باجی کو تنگ نہ کرو وہ بہت تھک چکی ہیں ۔

ارشد بھائی کی سفارش اور باجی کی صاف گوئی سے حنا کو اب سب سمجھ میں آ رہا تھا۔ وہ اپنی باجی سے بولی.......اچھا باجی آپ سچ کہتی ہیں، میں سمجھ گئی کہ آپ میرا دھیان رکھتی ہیں مگر میں بھی کیا کروں آخر ہوں تو تمہاری بہن ہی، خون تو ہمارا ایک ہی ہے، وہ تو رنگ لائے گا ہی.......اور دیکھو باجی میں نے جو مہندی لگائی ہے وہ بھی رنگ چھوڑے بغیر کیسے رہ سکتی ہے۔ آپ کہتی ہیں تو میں اپنے ہاتھوں کو دھو لیتی ہوں۔ مگر دیکھو باجی!.......دھونے کے بعد میرے ہاتھوں کی مہندی کا رنگ کتنا سرخ ہو گیا ہے۔ اب آپ ہی بتائیں، اس رنگ کو میں کیسے دھو سکتی ہوں۔ اور اب تو شاید آپ بھی اسے نہیں مٹا سکتیں یہ تو رنگ چھوڑتی حنا ہے جو کسی کے ساتھ کوئی بھید بھاؤ نہیں رکھتی۔ میرے ساتھ بھی نہیں۔ اب باجی آپ!.....اکیلی اس مہندی کی حقدار نہیں ہیں۔ میں بھی اب بڑی ہو گئی ہوں اور تمہارے برابر کی حقدار ہوں۔ باجی میرے ہاتھوں کو ایک نظر دیکھو تو سہی۔ یہ سن کر باجی کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ کہنے لگیں.......سبحان اللہ! چشم بددور.......انہیں نظر نہ لگ جائے.......یہ کہہ کر باجی نے حنا کے حنائی ہاتھوں کو چوم لیا۔

☆☆☆

محمد باعشن مغموم
4,Pricep Street
Kolkata-700072

آزاد فلسطین

بارود کی بارش کا خطرناک سماں ہے
جس سمت نظر جایے دھواں صرف دھواں ہے
لاشوں کی کہانی ہے لڑائی کا فسانہ
ماں باپ سے بچوں کے بچھڑنے کا زمانہ
اے جنگِ فلسطین کے معصوم شہیدو!
ہے جیت فقط خون کا مفہوم شہیدو!
ماایوس نہ ہو گرچہ ابھی وقت کڑا ہے
انسان سے یہ مان لو اللہ بڑا ہے
حق اور صداقت کو ظفریاب کرے گا
ذرّہ ہے فلسطین تو مہتاب کرے گا
آزاد فلسطین کا لہرائے گا پرچم
دنیا کو بہت صاف نظر آئے گا پرچم

☆☆☆

افسانہ

اظہر نیّر
BarhuliaVia,Kansi Simri
Darbhanga.847106 (Bihar)

سرٹی فیکیٹ

ہلو، ہلو! آپ کمال ہاشمی صاحب بول رہے ہیں؟ کیا میں کمال ہاشمی صاحب سے مخاطب ہوں؟

جی ہاں، میں کمال ہاشمی ہی بول رہا ہوں۔ بولئے محترمہ!

آپ کی کہانی ''پیشواز'' پڑھی۔ بہت پسند آئی۔

شکریہ محترمہ!

آپ کی کہانیوں کا کوئی مجموعہ شائع ہوا ہے؟

جی نہیں محترمہ، ہاں ایک شعری مجموعہ ضرور شائع ہوا ہے۔

اچھا کمال صاحب آپ شاعری بھی کرتے ہیں۔

جی ہاں محترمہ۔

کمال صاحب آپ مستقل طور پر گاؤں میں رہتے ہیں؟

جی ہاں، میں سبکدوشی کے بعد گاؤں ہی میں رہتا ہوں۔

آپ کی طبیعت گاؤں میں لگتی ہے؟ گاؤں کا ماحول کچھ الگ قسم کا ہوتا ہے۔ آپ شہر میں ہمیشہ رہے، گاؤں میں رہ کر کھیتی باڑی کرتے ہوں گے۔

جی نہیں، میں کھیتی باڑی نہیں کرتا ہوں۔ گاؤں کا ماحول انساں خود بناتا ہے۔ میری طبیعت یہاں خوب لگتی ہے۔ مجھے مطالعہ کا بے حد شوق ہے۔ یہاں کئی رسالے بذریعۂ ڈاک منگواتا ہوں۔ میرے اجداد کی جمع کردہ، بہت سی کتابیں ہیں۔ جس کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ ان دنوں مذہبی کتابیں زیادہ پڑھتا ہوں اور پڑھنے کے درمیان کچھ لکھتا بھی رہتا ہوں۔ ان دنوں میں زیادہ تر کہانیاں اور افسانچے لکھتا ہوں۔

اچھا کمال صاحب آپ کی تخلیقات مقامی اخبار کے علاوہ بھی شائع ہوتی ہے

جی ہاں ہفت روزہ، ماہنامہ، سہ ماہی ملک اور بیرون ملک میں شائع ہوتی ہیں۔

کمال صاحب! آپ سے ایک ضروری معلومات حاصل کرنا چاہتی ہوں

جی فرمایئے محترمہ؟

آپ کے گاؤں میں جمال الدین صاحب رہتے ہیں، بڑے لوگ ہیں؟

،ان کا لڑکا دہلی میں ایم بی اے کر کے ملازمت کرتا ہے۔ اور وہ وہاں ذاتی مکان بھی خرید لیا ہے۔

جی ہاں آپ کو تو سب باتوں کا علم ہے تو پھر مجھ سے کیا معلومات چاہتی ہیں؟

بات یہ ہے کمال صاحب کہ میں اپنی بہن کی شادی کی بات کرنا چاہتی ہوں؟

اچھا جی تو پھر......آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟

بس ایک گزارش ہے کہ لڑکے کا کیرکٹر (چال چلن) کیسا ہے۔ آپ تو جانتے ہوں گے۔ اس سلسلے میں آپ میری ضرور مدد کریں گے۔

محترمہ! آپ کو لڑکے کا کس طرح کا کیرکٹر جاننا چاہتی ہیں؟

کمال صاحب! لڑکے کا چال چلن کیسا ہے، نشہ آور چیزوں کا استعمال وغیرہ وغیرہ۔ کمال صاحب پلیز مہربانی ہوگی۔ ضرور معلومات فراہم کریں۔ اس کا دوسری لڑکیوں سے رابطہ تو نہیں ہے ؟

دیکھئے محترمہ! آپ نے اپنا نام اور پتہ بتایا نہیں خیر......میں آپ کی کیوں مدد کروں ؟ میں اپنے گاؤں والوں کی اچھائی برائی کیوں بتاؤں؟

دیکھئے کمال صاحب! آپ سے گزارش کی ہے، بہن کی شادی کی بات ہے اس لیے........

محترمہ سنئے! آپ نے اپنی شادی کے وقت اپنے شریک حیات کا کیا کیرکٹر (چال چلن) سرٹیفکٹ حاصل کیا تھا؟

کمال صاحب! آپ بھی کمال کرتے ہیں، یہ کیا بات ہوئی اور کیا کہہ رہے ہیں۔ جب میری شادی ہوئی تھی اس زمانے میں معلومات کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔

اچھا آپ لڑکے کا کیرکٹر سند چاہتی ہیں۔

جی ہاں! بجا فرمایا

میں کیا کسی کا کیرکٹر سند دینے کے قابل ہوں

جی ہاں کمال صاحب.......مجھے آپ پر پورا بھروسہ ہے

ٹھیک ہے، میں لڑکے اور اس کے والدین سے دریافت کرتا ہوں۔

نہیں نہیں کمال صاحب ان سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات آپ اپنے تک محدود رکھیں۔

سنئے محترمہ، آپ لڑکے کا کیرکٹر سرٹیفکیٹ لینا چاہتی ہیں تو پھر لڑکا بھی لڑکی کی پاکیزگی کا میڈیکل سرٹیفکیٹ چاہے گا یا نہیں؟ آپ دیں گی کیا۔

واہ کمال صاحب یہ کیا کہہ رہے ہیں یہ تو غلط بات ہے۔

محترمہ میری سوچ غلط ہے مگر میرا کہنا غلط نہیں۔ محترمہ آپ غلط بات کہہ رہی ہیں، واہ واہ آپ کو جو چاہئے وہی چیز سامنے والوں کو بھی چاہئے کہ نہیں۔ سوچئے محترمہ میں نے غلط بات کہہ دی؟

اوہ! معافی چاہتی ہوں، کمال صاحب۔

☆☆☆

افسانہ

نور شاہ
14-Lalded Colony,
Gouri Pura Link Road
Rawalpora, Srinagar-190005
Mno-9906771363

جینے کی ہوس

بظاہر وہ نیک صورت اور نیک سیرت تھے۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد ان کے دوستوں کا حلقہ وسیع تر ہو گیا تھا۔ دوستوں میں اگر وہ کسی سے دور رہنا چاہتے تھے تو وہ محمد سلیم تھے۔ کیونکہ سلیم صاحب کو پینے کی بری عادت تھی۔ لیکن جب کرونا نے انہیں چھیڑنا شروع کیا تو کسی نئے اور انوکھی ڈھنگ سے اس بیماری سے نجات پانے کے لئے انہیں سلیم یاد آ گئے۔

"آپ کے اتنے سارے دوست ہیں، ان میں سے آپ کو سلیم صاحب کی ہی ضرورت کیوں پڑی؟...... بیٹے نے پوچھا۔

"ضرورت پڑی تب ہی تو بلوا رہا ہوں"۔

بیٹے نے باپ کے حکم کی تعمیل کی۔ سلیم صاحب بھی ان کی یک طرفہ دوستی کو نظرانداز کرتے ہوئے حاضر ہوئے، بیٹے نے انہیں باپ کے کمرے رہنمائی کی

بیٹے!...... اب تم جاسکتے ہو۔ مجھا کیلے میں سلیم صاحب سے بات کرنے دو

بیٹا بہت کچھ سوچتے ہوئے بھی کچھ نہ سوچ سکا اور نہ کچھ کر سکا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ وہاں سے چلا آیا۔

سلیم صاحب......!

"ہاں ہاں! کہئے احمد صاحب...... آپ کی طبیعت ناساز لگتی ہے ۔آج کل کرونا سے بچنے کے لئے ہر ممکن احتیاط کرنے کی ضرورت ہے۔

جانتا ہوں...... اسی لیے تو آپ کو یہاں آنے کی تکلیف دی۔ آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ میرے گلاس کو شراب سے بھر دیجئے۔

شراب!......... اور آپ؟

ہاں ہاں شاید آپ کی دوائی سے میری ذہنی اور جسمانی حالت حالت میں بہتری آ جائے۔ میں ابھی جینا چاہتا ہوں، اور جینے کے لیے ایک تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔ بہت کچھ سوچنے کے بعد ہی آپ کو یاد کیا ہے۔

"آپ کا یہ تجربہ مہنگا بھی پڑ سکتا ہے۔ میرا دل نہیں چاہتا۔

میری بات مان لیجئے...... سلیم صاحب۔

سلیم صاحب کے بیگ میں ہمیشہ پینے پلانے کا بندوبست رہتا تھا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی انہوں نے سامنے پڑے گلاس میں شراب انڈیل دی۔

نہیں نہیں...... پانی میں خود ڈال دوں گا

پانی..........

شکریہ!.... اب آپ جاسکتے ہیں۔

کچھ دیر بعد بیٹا باپ کو دیکھنے کمرے میں آ گیا۔ دیکھا..... وہ لیٹے پڑے تھے، انتہائی خاموشی کی حالت میں........ وہ گھبرا گیا..... اس کی آواز بے آواز ہو گئی۔ گھر کے دوسرے افراد سے مشورہ کر کے ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ ڈاکٹر صاحب آ گئے اور معائنہ کیا۔ کمرے میں ایک عجیب سی بو محسوس کر کے وہ حیران رہ گئے۔ انہوں نے سامنے تپائی پر رکھے خالی گلاس کو اٹھایا اور دو تین بار سونگھ کر پوچھا۔

کیا یہ شراب پیتے ہیں؟

نہیں تو.... کبھی نہیں۔

ڈاکٹر نے کہا...... صورت سے تو مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے۔ لیکن شاید ذہنی تناؤ کو دور کرنے کے لیے انہوں نے شراب کا سہارا لینے کی کوشش کی ہو۔ یہ بے ہوش ہو چکے ہیں۔ اب آپ سے کیا چھپانا یہ کوما میں چلے گئے ہیں ہوش میں آنے کی گنجائش مجھے نظر نہیں آتی۔

تو کیا ڈاکٹر صاحب...... بیٹے نے گھبراتے ہوئے کہا مگر وہ اپنی بات مکمل نہیں کہہ سکا

ڈاکٹر نے کہا، دنیا سے ہم سب کو جانا ہے۔ لیکن گلاس کی بو سے لگتا ہے کہ یہ جاتے جاتے دین سے بھی گئے........ اللہ رحم کرے۔

یہ کہتے ہوئے ڈاکٹر کمرے سے باہر آ گئے۔..............

☆☆☆

افسانہ

جہانگیر انس
Rani Pur P/O Barharia
Dist:Siwan-841232(BIHAR)
Mob No-9162357830

زمانہ بدل گیا ہے

احمد علی خوبصورت اور نیک سیرت ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی ذہین بھی تھے۔ والدین کی اکلوتی اولاد تھے۔ عام طور سے اکلوتی اولاد والدین کے حد سے زیادہ دلاڈ اور پیار سے ضدی اور گستاخ ہو جاتی ہے۔ لیکن احمد علی بچپن ہی سے نہایت فرمانبردار اور اطاعت گزار تھے۔ ان کے والد ایک اسکول میں ٹیچر تھے۔ اور والدہ ایک نیک دل گھریلو خاتون تھیں۔ احمد علی نے والد کے زیر سایہ تعلیم ہی نہیں بلکہ اخلاق و آداب کی تربیت بھی حاصل کی۔ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ایک کالج میں آسانی سے لکچرر کا عہدہ حاصل کر لیا۔

احمد علی کو نوکری کرتے تین سال ہو گئے تو والدین کو ان کی شادی کی فکر ہوئی۔ والد ایک روشن خیال شخص تھے۔ ایک دن والد نے کہا، بیٹا! تم تعلیم حاصل کر کے برسرِ روزگار ہو گئے ہو۔ تمہاری ماں کی اور میری بھی خواہش ہے کہ تمہاری شادی کر دی جائے۔ اگر تم نے کسی لڑکی کو پسند کر رکھا ہو تو ہمیں بتا دو تاکہ ہم اس کے والدین سے مل کر نسبت طے کر لیں اور اگر پسند نہیں کی ہے تو ہمیں اجازت دو کہ ہم اپنی پسند کی لڑکی سے نسبت کی بات کریں۔

احمد علی نے شرماتے ہوئے کہا کہ ابا جان! آپ کیوں مجھے شرمندہ کر رہے ہیں، بچوں کی شادی تو والدین کا حق ہوتا ہے۔ والدین تجربہ کار ہوتے ہیں۔ جو لوگ خود کی پسند کی شادی کرتے ہیں بعد میں انہیں اکثر پچھتانا پڑتا ہے۔

والد اس کے خیالات سے کافی متاثر ہوئے۔ انہیں اپنی دی ہوئی تربیت پر ناز بھی ہوا۔ انہوں نے اپنے ایک قریبی غریب دوست لیکن شریف اور نیک صفت کی لڑکی رخسانہ خاتون سے اس کی نسبت طے کر دی۔ اور دو مہینے بعد ہی نہایت سادگی کے ساتھ ان کا نکاح ہو گیا۔ انہوں نے کوئی جہیز بھی نہیں لیا۔ یہ ایک ایسی شادی تھی جس کی تعریف ہر شخص نے کی۔

رخسانہ خاتون تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ خوبصورت اور خوب سیرت بھی تھیں۔ انہوں نے اپنے اخلاق اور سلیقہ مندی سے اپنے شوہر کا ہی نہیں بلکہ ساس اور خسر کا بھی دل جیت لیا۔

وقت گزرتے دیر نہیں لگتا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کے والد اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ والد کی وفات کے ایک سال بعد والدہ بھی چل بسیں۔

جس وقت احمد علی کی والدہ کا انتقال ہوا، اس وقت احمد علی کی ایک ہی چھ سالہ اولاد نرینہ تھی۔ جس کا نام اشرف علی تھا۔ اس کے بعد احمد علی کو کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ انہوں نے اشرف علی کو اچھی سے اچھی تعلیم دلائی۔ جب اس کی عمر اٹھارہ سال تھی تب رخسانہ خاتون کی طبیعت خراب ہو گئی، ڈاکٹروں نے تشخیص کرنے کے بعد کینسر بتایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کا مختلف طریقوں سے امتحان لیتا ہے۔ احمد علی کا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان ہی تھا۔ انہوں نے اس امتحان میں کامیاب ہونے کی بھرپور کوشش کی اور صبر کا دامن نہیں چھوڑا اور رخسانہ خاتون کا علاج مشہور سے مشہور ڈاکٹروں سے کرایا، لیکن وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ ہر طرح کی کوششوں اور علاج کے باوجود رخسانہ خاتون ہمت ہار گئیں اور اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ احمد علی بہت مشکلوں سے والدین کی موت کا صدمہ بھول پائے تھے کہ ایک نئے صدمہ نے ان کے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔

جس وقت رخسانہ خاتون کی موت ہوئی، اشرف علی انجنیر نگ کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ احمد علی اب گھر میں تنہا رہ گئے تھے۔ احباب نے انہیں دوسری شادی کرنے کا مشورہ دیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ وہ اشرف علی کو اپنی جان سے زیادہ چاہتے تھے۔ دوسری شادی کر کے اشرف علی کے دل کو تکلیف نہیں پہنچانا چاہتے تھے۔ وہ یہ سوچ رہے تھے کہ کچھ دن ہی کی تو بات ہے۔ اشرف علی کی تعلیم مکمل ہو جانے کے بعد اس کی شادی کر دیں گے۔ گھر میں ایک بار پھر سے رونق آ جائے گی۔ احباب نے انہیں کافی اونچ نیچ سمجھایا کہ آج کل کی اولاد کا کوئی بھروسا نہیں۔ اس مادہ پرستی کے دور میں سب ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لیے سرگرداں رہتے ہیں۔ ''میں'' کی جگہ ''ہم'' کا چلن دنیا میں عام ہو گیا ہے۔ لیکن انہوں نے کسی کی بات پر دھیان نہیں دیا اور اپنے ارادے پر قائم رہے۔ انہوں نے اپنی ایک لاولد بیوہ خالہ کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔

جب اشرف علی نے انجنیئر نگ کا امتحان بہت اچھے نمبروں سے پاس کیا تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ انہوں نے پورے محلے کی دعوت کی۔ ابھی رزلٹ آئے تین ہفتے ہوئے تھے کہ اشرف علی نے ایک دن ان سے کہا ، ابا جان! مجھے انگلینڈ کی ایک بہت بڑی کمپنی میں نوکری کا آفر آیا ہے۔ سیلیری

بھی بہت اچھی ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس کمپنی میں نوکری جوائن کرلوں۔

اشرف علی کی بات سن کر احمد علی کو ایک ذہنی جھٹکا لگا۔ وہ کچھ دیر تک اشرف علی کے چہرے کو دیکھتے رہے۔ پھر بولے: بیٹا! اپنے ملک میں بھی تم نوکری کر سکتے ہو۔ تم یہاں رہوگے تو میرے دل کو ایک سہارا رہے گا۔ میں بھی اب بوڑھا ہو چلا ہوں، زندگی کا کیا بھروسا کب ساتھ چھوڑ دے۔

اشرف علی نے کہا، خالہ دادی آپ کی دیکھ ریکھ کے لیے تو یہاں موجود ہیں ۔اور پھر میں آتا جاتا رہوں گا۔ نوکری تو مجھے مل جائے گی لیکن یہاں کی نوکری میں آگے بڑھنے کے مواقع بہت کم ملتے ہیں۔ یہ میرے مستقبل کا سوال ہے۔ میں زندگی میں بہت آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔

احمد علی دل مسوس کر رہ گئے اور اشرف انگلینڈ چلا گیا۔ انگلینڈ جانے کے بعد وہ ہر ہفتہ ٹیلی فون کرتا، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ وقفہ بڑھتا گیا۔ ایک سال بعد وہ واپس آیا ۔احمد علی نے اسے روکنے کی کوشش بہت کی لیکن پھر اس کی وہی بات کہ میں زندگی میں بہت آگے بڑھنا چاہتا ہوں ۔انہوں نے اس کی شادی کرنی چاہی مگر اس نے منع کر دیا کہ ابھی میں شادی نہیں کروں گا۔ اور پھر وہ ہفتہ بھر رہنے کے بعد انگلینڈ چلا گیا۔

احمد علی نوکری سے سبکدوش ہو چکے تھے۔ ان کا دل اندر سے ٹوٹ چکا تھا۔ وہ جب تک گھر میں رہتے اخبار پڑھا کرتے۔ دل جب گھبرانے لگتا تو کسی دوست کے گھر چلے جاتے یا کسی دوست کو گھر بلا لیتے۔ ان کی والدہ کی بیوہ بہن بھی اب بوڑھی ہو چکی تھیں ۔اشرف علی بھی اب پہلے کی طرح فون نہیں کرتا تھا۔ انہیں اپنے فیصلے پر افسوس ہو رہا تھا کہ انہوں نے احباب کے مشوروں کو نظر انداز نہیں کیا ہوتا تو آج اس طرح تنہا زندگی نہیں گزارنی پڑتی۔

ایک دن صبح سویرے سو کر اٹھے تو گھر میں بالکل خاموشی تھی۔ کچن سے کھٹر پٹر کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی ۔انہوں نے سوچا کہ خالہ کی نیند نہیں ٹوٹی ہے۔ وہ خالہ کو جگانے ان کے کمرے میں گئے تو خالہ بستر پر نیم بے ہوشی کی حالت میں تھیں۔ انہوں نے فوراً ڈاکٹر کو بلایا لیکن ڈاکٹر کے آنے سے قبل ہی خالہ کی نیم بے ہوشی ابدی نیند میں بدل گئی تھی ۔انہوں نے اشرف علی کو فون کر کے اطلاع دی لیکن اشرف علی نے عدیم الفرصتی کا عذر پیش کر کے آنے سے انکار کر دیا۔

احمد علی اب گھر میں تنہا رہ گئے تھے۔ انہوں نے مختلف طریقوں سے اشرف علی کو ہندوستان لوٹ آنے کی ترغیب دی۔ اپنی تنہائی اور مجبوری کا واسطہ بھی دیا مگر وہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیتا۔ اب اس کا فون بھی بہت کم آنے لگا تھا۔

احمد علی کو اشرف علی کے ایک دوست سے معلوم ہوا کہ اس نے ایک کرسچن لڑکی سے وہاں شادی کر لی ہے۔ وہ بھی اس کی آفس میں ملازمت کرتی ہے۔ یہ سن کر احمد علی کا دل بالکل ٹوٹ گیا۔ اب وہ بالکل خاموش رہنے لگے تھے۔ احباب نے انہیں مشورہ دیا کہ گھر میں کوئی نوکر رکھ لیں۔ اب زمانہ بدل گیا ہے، نئی تہذیب نے رشتے ناتوں کا مفہوم بدل دیا ہے ۔لیکن ان کا خیال تھا کہ جب اپنا خون ہی اپنا نہیں رہا تو نوکر پر کیسے بھروسا کیا جا سکتا ہے ۔انہوں نے اپنا معمول بنا لیا کہ صبح آٹھ بجے تک سوتے۔ پھر ضروریات سے فارغ ہو کر کسی ہوٹل میں چلے جاتے، ناشتہ کرتے اور کسی دوست سے ملنے چلے جاتے۔ واپسی میں دوپہر کھانا کھاتے اور رات کا کھانا پیک کرا لیتے۔ باقی وقت اخبار اور رسائل پڑھنے میں گزارتے۔

ادھر چند دنوں سے ان کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی۔ آنکھوں کی روشنی بھی کم ہونے لگی تھی، جس کی وجہ سے ان کے معمولات بھی بدل گئے۔ اخبار اور رسائل پڑھنے کو اب دل نہیں چاہتا تھا۔ بستر پر پڑے پڑے پرانی یادوں میں کھوئے رہتے۔ انھوں نے اپنے دروازے پر ایک بدل نما ڈبہ رکھ دیا تھا۔ ہاکر اس میں روزانہ اخبار ڈال دیا کرتا تھا۔ ایک دن ہاکر آیا تو اس نے دیکھا کہ ڈبہ اخبار کی کاپیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہاکر نے ڈور بیل بجایا۔ کسی نے دروازہ کھولا۔ ہاکر نے زحمت دینے کی معافی چاہی اور کہا کہ سر! میں آپ کو ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ بکس کو اخبار سے بھرا دیکھ کر میں نے آپ کو بلا کر پتہ لگانا چاہا کہ شاید بکس سے آپ اخبار نکالنا بھول گئے ہیں۔

احمد علی چند لمحوں تک ہاکر کے چہرے کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر کہا کہ آئندہ اخبار بکس میں ڈالنے کی بجائے میرے ہاتھ میں دیا کرنا۔ ہاکر نے سوچا سر شاید ناراض ہو گئے ہیں۔ اس نے دوبارہ معذرت چاہتے ہوئے کہ آئندہ آپ کو ڈسٹرب نہیں کروں گا۔

احمد علی نے کہا کہ میں ناراض نہیں ہوں۔ میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ آئندہ اخبار مجھے بلا کر میرے ہاتھ میں دیا کرنا۔ تم اپنے چہرے اور باتوں سے شریف اور با اخلاق آدمی نظر آتے ہو۔ پھر اسے رکنے کا کہہ کر گھر اندر چلے گئے ۔واپس آئے تو ان کے ہاتھوں میں سو روپیوں کے نوٹ کی ایک گڈی اور ایک لفافہ تھا۔ روپے اور لفافے کو ہاکر کو دیتے ہوئے کہا کہ اس لفافے میں ایک کاغذ ہے جس میں میرے بیٹے کا فون نمبر لکھا ہوا ہے۔ اس کے نیچے میرے دوستوں کا اور آخری نمبر میت خانے کا ہے۔ اگر کسی روز ڈور بیل بجانے پر دروازہ نہ کھلے تو سمجھ لینا کہ میں اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہوں۔ اس کی اطلاع تم میرے بیٹے اور میرے دوستوں کو دینا۔ اور کہہ دینا کہ تمہارا باپ تمہاری دید کی حسرت لیے اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔ اور میت خانے میں بھی اطلاع دے دینا کہ ایک لاوارث میت تم لوگوں کا انتظار کر رہی ہے۔ میرے کمرے کی دراز میں تمھیں ایک لاکھ روپے ملیں گے۔ اس کا ذکر میں نے لفافے کے اندر رکھے کاغذ میں کر دیا ہے۔ میری تجہیز و تکفین میں اس رقم سے جو بچ جائے وہ تمارے لیے انعام ہے۔ اسے تم خود رکھ لینا۔

ان باتوں کو کہتے ہوئے علی احمد کی آنکھیں بھر آئیں اور آنسو رواں ہو گئے۔ ان کی دکھ بھری باتوں کو سن کر وہ سکتے میں آ گیا اور اس کے منہ سے ایک لفظ تک نہیں نکل سکا۔

واقعی زمانہ بدل گیا ہے۔ جن اولادوں کی پرورش و پرداخت میں والدین اپنے دن کا چین اور راتوں کی نیند گنوا دیتے ہیں، وہی اولادیں کسی قابل ہو جانے کے بعد والدین کو دودھ میں پڑی مکھی کی طرح نکال پھینکتے ہیں۔

☆☆☆

الحاج ایم اے حمید عکسی
HouseNo-14-6-39,Nizampura
MandiBazar.Warangal-506002

سر کو اٹھا کے یہ بھی سماں دیکھتے چلو
شہروں میں اونچے اونچے مکاں دیکھتے چلو
بہنے لگے گا خون کا دریا ہر اک طرف
اب آگئے فسادی یہاں دیکھتے چلو
شہروں کے شور وغل کو تو دیکھا ہے آج تک
گاؤں میں ہے جو امن واماں دیکھتے چلو
اس نے لگائی آگ تعصب کی ہر طرف
ہر گھر ہوا ہے شعلہ فشاں دیکھتے چلو
کانوں میں گھولتی ہے وہی رس مٹھاس کی
اردو ہے کتنی شیریں زباں دیکھتے چلو
عکسی اٹھو کہ ہوگیا وقتِ نماز اب
ہونے لگی ہے اب تو اذاں دیکھتے چلو

ارون کمار آریہ
Mohlla Imlital.Danapur Cantt:
Patna-801503(Bihar)
Mob-8210700727

موت سے نہیں میں تو زندگی سے ڈرتا ہوں
دشمنی سے کیا ڈرنا' دوستی سے ڈرتا ہوں
رنگ وہ نہیں اس میں اور نہ وہ چمک ہی ہے
اس نئے زمانے کی روشنی سے ڈرتا ہوں
چاند سے مرے ہم دم اب نکلتے ہیں شعلے
میں کہیں نہ جل جاؤں چاندنی سے ڈرتا ہوں
عشق کرنے والوں کا حشر جانتا ہوں میں
بے وفا زمانے میں عاشقی سے ڈرتا ہوں
دل تو اک کھلونا ہے شوق کی نگاہوں میں
حسن والے میں تیری دل لگی سے ڈرتا ہوں
خوشبوئے ادب بھی تو لازمی ہے شعروں میں
جو نہ ہو سخن ایسی شاعری سے ڈرتا ہوں
وحشی جانور سے تو ڈر نہیں ارون مجھ کو
آدمی کا کاٹا ہوں آدمی سے ڈرتا ہوں

عبدالحئی پیام انصاری
At/P.O:PiprauliBazar
Dist:Gorakhpur-273212

جھکنے کی خاطر مجھ سے تکرار کیا
کھیر کھلا کر پیار کا بھی اظہار کیا
ملی نہیں ایسی مدہوشی کہیں مجھے
تیری محبت نے جتنا سرشار کیا
سیکھ لیا ہے میں نے چلنا رستے پر
ٹھوکر نے مجھ کو ایسا بیدار کیا
موسیٰ کو بے ہوش کیا جس جلوے نے
میں نے اس کا ذرّوں میں دیدار کیا
دنیا نے تو مجھے ڈبو ہی ڈالا تھا
میرے خدا نے میرا بیڑا پار کیا
جن لوگوں کی خاطر مرتا رہا پیام
ان لوگوں نے جینا مرا دشوار کیا

ڈاکٹر جاوید حسین شارب پالوجی
A-303,Deepalika CHS Ltd.Yari
Road.Versova.Andheri(W)
Mumbai-400061(M.S)

گھر گھر ہے نفرت کی للکار اب بولے کون؟
ہر گھر کے لوگ ہیں خائف اس کو سمجھے کون؟
کل کی خبر نہیں ہے لیکن آج کل' ان
آتی جاتی افواہوں کے سمجھے کون؟
بازاروں میں ہے رونق' لیکن گھر ہیں ویران
روشنی سب چاہیں تھوڑی سی پر مانگے کون؟
ہر قدم پر ہے دھوکہ' ہر قدم پر ہے فریب
پھیلی ہوئی ان برائیوں کو کھو اب روکے کون؟
کون ہے اپنا کون پرایا سمجھیں کیسے شارب' ہم
آج کی اس بدلتی دنیا کو سمجھے کون؟

مجیب اللہ خاں پرواز
PlotNo-9,Indiraprastha.Phase-1
Pukriput.Bhubaneswar-751020
Odisha

میں قلم کار ہوں جوابوں کا
مجھ کو چھٹا دو تم سوالوں کا
بے نتیجہ ہیں جن کی تعبیریں
فائدہ کیا ہے ایسے خوابوں کا
روکا ہے تیرگی نے اپنا قدم
کچھ نہ بگڑے گا اب اجالوں کا
اپنے وعدے سے تو نہ مکرے گا
ہے یقیں مجھ کو تیری باتوں کا
خیر مقدم ہمیشہ کرتا ہوں
تیری ہمت کا' ٹھوس ارادوں کا
ان گنت ہیں فلک میں وہ پرواز
پھر بھی مذہب نہیں ستاروں کا

علیم الدین علیم
P-69,MudiyaliRoad.P.O:Garden
Reach.Kolkata-700024(W,B)

ستم اپنوں کا ہم پر کم نہیں ہے
ہماری آنکھ لیکن نم نہیں ہے
نکلتے ہی اچک لیتا ہے سورج
تبھی تو گھاس پر شبنم نہیں ہے
اگر ہو ایک تو کیوں ایک جیسا
تمہارے ہاتھ میں پرچم نہیں ہے
ہوا کی زد پہ ہے مدت سے اب تک
مگر لو شمع کی مدھم نہیں ہے
مجھے مت بھیجنا تصویر اپنی
کہ میرے پاس اب البم نہیں ہے
علیم اس کی گلی سے مت گزرنا
کہ تم میں اب کوئی دم خم نہیں ہے

اسرار نسیمی
A-102,KanghiTola.Qila
Breili-243003(U.P)

لب و لہجہ کو بازاری نہ کرنا
غزل کے ساتھ غدّاری نہ کرنا
محبت بھی عبادت کی طرح ہے
عبادت میں ریاکاری نہ کرنا
سدا تحریر میں محتاط رہنا
قلم کو اپنے بازاری نہ کرنا
اسی کو کہتے ہیں صبر و قناعت
کبھی اظہارِ ناداری نہ کرنا
زبانوں میں اثر ہوتا ہے ان کی
فقیروں کی دل آزاری نہ کرنا
جواں رکھنا ہمیشہ حوصلوں کو
عیاں اسرارؔ لاچاری نہ کرنا

عظمت علی عظمتؔ
4-1-1,FlatNo-204.2ndFloor
V.J.CricentHeights.
Oppo:NasirMasjid
BalajiNagar.Kurnool-518006

ہر قدم میرا تیری راہ میں ہے
تو ہمیشہ مری نگاہ میں ہے
آسماں تک پہنچ سکے گی ضرور
ایسی تاثیر میری آہ میں ہے
اتنا آساں نہیں سنبھل جایے
جو ہمیشہ سے خواب گاہ میں ہے
صرف کہنے سے فائدہ کیا ہے
خوبیٔ عشق تو نباہ میں ہے
کیا بگاڑے گا یہ جہاں عظمتؔ
جو خدا کی سدا پناہ میں ہے

نعمت رضوی
C/O:AmjadiKitabGh
ar.NearHighSchool.Sonbasa
Sitamarhi-843330(Bihar)

نیکیوں کا صلہ ہم نے دیکھا آج
اس کو کرتے گلہ ہم نے دیکھا ہے آج
حق پرستی کا دعویٰ جو کرتا رہا
اس کا بھی حوصلہ ہم نے دیکھا ہے آج
یہ کرشمہ موبائل کا ہے دوستو!
گھٹتا ہر فاصلہ ہم نے دیکھا ہے آج
گدّی بخشی گئی قاتلوں کو یہاں
آپ کا فیصلہ ہم نے دیکھا ہے آج
قتل و غارت گری اور آتش زنی
ایسا بھی زلزلہ ہم نے دیکھا ہے آج
ان کے دل میں اتر کے اے نعمتؔ ابھی
پیار کا سلسلہ ہم نے دیکھا ہے آج

عظیم الدین عظیمؔ
PlotNo-78/427,LotusGarden
Jadupur.Bhubaneswar-751019

ان کی قربت کے یہ اشارے ہیں
مہکے مہکے سبھی نظارے ہیں
آنکھیں دھوکہ تو کھاتی رہتی ہیں
دل یہ کہتا ہے ہم تمہارے ہیں
جب سے وہ ہوگئے جدا ہم سے
بے قراری میں دن گزارے ہیں
جلتے رہتے ہیں تنہا شعلوں میں
آنکھ میں آنسوؤں کے دھارے ہیں
پار کیسے ہوں بحرِ غم سے عظیمؔ
دور ہم سے بہت کنارے ہیں

اجے کمار پنڈا
NearOldPowerHouse
SukhwaGodam.
P.O:KaliMandirRoad
Dist:Jharsuguda-768202(Odisha)

میں غزل تجھ پہ کہوں کاش کہ اردو آیے
میرے لفظوں سے تجھے پیار کی خوشبو آیے
تیرا صندل سا بدن اور یہ زلفیں مشکیں
میرے دنیا بھی مہک اٹھے اگر تو آیے
سنگِ مرمر کے بدن کا میں کروں نظّارہ
چاندنی رات مری چھت پہ اگر تو آیے
یہ مرا حسنِ تصور ہے یا دیوانہ پن
بارہا اپنے تصور میں تجھے چھو آیے
زندگی میری مکمل ہی نہیں تیرے بغیر
تو جو مل جایے تو جینے کی مجھے خو آیے
جاگ جایے مری سوئی ہوئی قسمت جاناں
زندگی میری سنور جایے اگر تو آیے

محمد ممتاز شعورؔ
Qtr.No-E-2.PWDColony
BrooksHill.Sambalpur-768001

چراغِ عزم لیے ظلمِ ناروا سے لڑے
ہم اس ادا سے تمہاری ہر اک جفا سے لڑے
یہ اور بات کہ الفت ہمیں نہ راس آئی
فریب کھاتے رہے حرفِ مدعا سے لڑے
دیارِ عشق میں لغزش کہیں نہ ہو جایے
اسی خیال سے ہم اپنے نقشِ پا سے لڑے
زمانہ چھوڑ کے ہم کو نکل گیا آگے
اب اور کون بھلا لشکرِ انا سے لڑے
یہ ابتدائے محبت کا تھا کرشمہ شعورؔ
تمام عمر کہ ہم غم کی انتہا سے لڑے

ڈاکٹر مسعود جعفری

PlotNo-80-29-12-14
SatyaColonyShaikhpet
Hyderabad-500008

میں ہواؤں میں جھوم جھوم لیا
گل و ریحاں کو چوم چوم لیا
کوئی بھی ساتھ میرے تھا ہی نہیں
دشت تنہائی سارا گھوم لیا
رات میں کچھ صدائیں آتی تھیں
ایسے کوچہ میں میں نے روم لیا
اس کی آنکھوں میں ایک دریا تھا
اس کی آنکھوں کو میں نے چوم لیا
جام و مینا شراب ساقی گلاب
ان کے اطراف میں بھی گھوم لیا
اتنا رنگین تھا سماں مسعود
شبنمی پھول میں نے چوم لیا

رمیش تنہا

5/51,GoldenPar(MaheshNagar
AmbalaCantt.-133001
Haryana

ماننے کو تو مانتے ہیں سب
سب مگر مجھ کو جانتے ہیں کب؟
سامنا مشکلوں سے ہوتا ہے جب
آدمی بنے ہے تب
ساری دنیا ہے ایک ہی رب سے
ساری مخلوق کا ہے ایک ہی رب
سب کے چہروں کو پڑھتا رہتا ہے
آئینہ خود کو دیکھتا ہے کب
موت ہر شے کو آنی ہے تنہا
چاہے، بہروپ بھر کے آجائے رب

یونس عاصم

DewanBazar,Cuttack-753001
Odisha

ہے جیسے نغمہ سرا دیکھو آبشارِ غزل
ہوائے تند کی مانند بے قرار غزل
کسی بھی فہم کے سانچے میں ڈھال دو اس کو
دکھائی دے گی تمھیں ایک شاہکار غزل
غزل کے حسن کی تعریف کیسے کر پاؤں
سماعتوں کے دریچے کی ہے سنگار غزل
ہر ایک چہرے پہ پھولوں کی تازگی آئی
جو انجمن میں چلی بن کے نو بہار غزل
ادب کے حسن پہ تنقید کرنے والوں کو
دکھایا کرتی ہے چہرہ یہ شیشہ دار غزل
مثال اس کی زمانے میں کون دے عاصم
خلوص و مہر کی خوشبو کی ہے بہار غزل

ڈاکٹر نلنی وبھا ناز لی

Lecturer,Deptt.of Music
Govt>PostGraduateCollege
Hamirpur-77005(H.P)

گونج ان میں نہیں ترانوں کی
بند ہیں کھڑکیاں مکانوں کی
تھی محبت کی رسم ورہ سب سے
بات کرتے ہو کن زمانوں کی
قول بھی اب کوئی نبھائے نا
کم حلاوت ہے اب زبانوں میں
بجھ گیا رنگ اڑ گئی خوشبو
کھو گئی آب پھول دانوں کی
بیچ ڈالیں گے یہ چمن میرا
بگڑی نیت ہے پاسبانوں کی
نازلی تیری شاعری کیا ہے
اک لڑی درد کے فسانوں کی

ایڈوکیٹ اجمل محسن

1-9-1053,PostalColony.
Subedari.Warangal-506001(T.S)
Mob-9390103323

وہی قصے کہانی اور فسانے
الا پے جائے گا کب تک دوانے
نیا پن کچھ تو اس میں ہے ضروری
غزل میں کب تلک قصے پرانے
بھٹکتی قوم سے بھی ہو مخاطب
کھڑی ہے یہ تباہی کے دہانے
جلا کر ساری بستی مہرباں اب
چلے آئے ہیں ملبے کو اٹھانے
بشر کی سخت گیری دیکھ کر تو
لگا ابلیس بھی بغلیں بجانے
جسے محسن سجھ بیٹھے ہیں اک دن
کہاں کب کاٹ دے گردن نہ جانے

محمد مطیع اللہ نازش

D0/203,Sector-6,CDA
P.O:Markat
NAGARR,Cuttack-14
Mob-7978347075

عہدِ حاضر کی روشنی سے ملو
زخم سے چور آدمی سے ملو
وقت تم سے جواب مانگے گا
دوست بن کر نہ دشمنی سے ملو
ساری دنیا خیال رکھے گی
موت کے بعد زندگی سے ملو
روزِ روشن سے روز ملتے ہو
"تم کبھی شب کی تیرگی سے ملو"
آپ نفرت سے پیش آتے ہیں
ہم سے کہتے ہیں دوستی سے ملو
کبر اچھا نہیں ہے اے نازش
جب ملو سب سے عاجزی سے ملو

رفیق رضاؔ

Dewan Bazar, Cuttack-1

زنجیر کو پیروں سے نکلتے نہیں دیتا
فولاد کو آہوں سے پگھلتے نہیں دیتا
پھل پھول نکل آتے ہیں پتھر پہ بھی لیکن
قدرت کے اصولوں کو بدلتے نہیں دیتا
وہ آگ پہ چلنے کو نظر آتا ہے تیار
جس نے کبھی پانی کو مچلتے نہیں دیکھا
سنتے ہیں وہ آئیں گے عیادت کو ہماری
پچھّم سے تو سورج کو نکلتے نہیں دیکھا
جو دوست ہمارا ہے رضاؔ اس کو کبھی بھی
گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے نہیں دیکھا

محمد صلاح الدین تسکینؔ

DewanBazar.Cuttack-753001
(Odisha)

بربادیوں کا نقش ابھی تک نظر میں ہے
اک اجنبی سا خوف ہمارے جگر میں ہے
مہمان جس کو میں نے بنایا تھا شوق سے
برباد کر کے مجھ کو وہ میرے ہی گھر میں ہے
پرواز اپنی ہوگی بلندی پہ ایک دن
یہ حوصلہ جوان ابھی بال و پر میں ہے
پتھر بھی جس کے لمس سے بن جائے آئینہ
ایسا کمال آج بھی دستِ ہنر میں ہے
تسکینؔ چل پڑا تھا مقدر کی کھوج میں
قسمت سے آج تک اسی راہِ سفر میں ہے

شاکرؔ وارثی

SairaManzil.Suta Hat
Cuttack-753001(Odisha)

دل کو میں ان سے خفا رکھتا نہیں
دوستوں سے فاصلہ رکھتا نہیں
وہ بڑا خوش فہم لگتا ہے مجھے
سامنے جو آئینہ رکھتا نہیں
پھل بنا محنت کے مل جائے اگر
پھر وہ میٹھا ذائقہ لگتا نہیں
جو منافق ہے میں اس انسان سے
دوستی کا سلسلہ رکھتا نہیں
شاکرؔ اس کی زندگی بیکار ہے
دل میں جو بھی حوصلہ رکھتا نہیں

ارشد قمر

LalKothaRoad.DalTanGanj
Plamu.Jharkhand

زندگی میں کوئی کمی سی ہے
آنکھوں میں اس لیے نمی سی ہے
روز ملتے تھے پیار سے لیکن
آج لہجے میں برہمی سی ہے
کون رویا ہے اس جگہ آکر
گھاس آنگن کی شبنمی سی ہے
رات گزری بہت اذیت میں
دن میں حالت ذرا تھمی سی ہے
پیار کے بدلے اب قمرؔ دل میں
گرد نفرت کی کیوں جمی سی ہے

اظہر نیّر

Ayanambakkam.Chennai
(T.N)

نیند سے جاگے تو آنکھوں کو عجب منظر ملے
آدمی جتنے ملے سب درد کے پیکر ملے
کوئی روزن ہی نہیں تھا واپسی کے واسطے
خواب آنے کے لیے گھر میں بہت سے در ملے
ایسے بھی کچھ لوگ تھے جو عمر بھر سوچا کیے
وقت بدلا تو ہمیں شیشے ملے، ساغر ملے
ہو گیا کچھ اور بھی احساس غیرت کا ہمیں
جب بھی اپنے آپ سے ہم اپنے ہی اندر ملے
دشمنوں کی دشمنی تو ہے بجا اظہرؔ مگر
دوستوں کی آستیں میں بھی مجھے خنجر ملے

رخشاں ہاشمی

ShahZubarRoad.Munger
Bihar-811201.
Mob-9304342562

دونوں دیکھیں گے آدھا آدھا خواب
مل کے کر لیں گے پورا سچا خواب
چبھ گیا ہے ہماری آنکھوں میں
کانچ کی کرچیوں سے بکھرا خواب
ہم جو جاگے صدی تھی بدلی ہوئی
ہم نے دیکھا تھا کتنا لمبا خواب
آخرش بہہ گیا ہے آنکھوں سے
ساتھ اشکوں کے میرا سارا خواب
گم ہوئی جب ہماری بینائی
ہم نے دیکھا ہے اجلا اجلا خواب

کتابوں کے شہر میں

(تبصرے کے لئے دو کاپیوں کا آنا ضروری ہے)

اگر اپنی کتابوں کا اشتہار بھی دیں تو تبصرہ ترجیحی بنیاد پر جلد شائع کیا جائے گا۔ایک صفحے کے اشتہار کی شرح ایک ہزار روپے ہے۔تبصرے کے لئے کافی کتابیں جمع ہو چکی ہیں۔ان پر تبصرہ ترتیب وار شائع ہوتا رہے گا۔(ادارہ)

کتاب کا نام:۔سپتک (شعری مجموعہ)

شاعرہ:۔فوزیہ ردا مبصر:۔سعید رحمانی

فوزیہ ردا کا تعلق شہر نشاط کولکاتا (مغربی بنگال) سے ہے۔موصوفہ نئی نسل کی نمائندہ شاعرہ ہیں۔شعروشاعری کے علاوہ نثر نگاری میں بھی انہیں منفرد شناخت حاصل ہے۔خصوصاًان کی شاعری مختصر بحروں میں سلاستِ زبان وبیان کے ساتھ گہرائی اور گیرائی کی حامل ہوتی ہے۔

طالب علمی کے زمانہ سے ان کا تخلیقی سفر جاری ہے۔انہیں مطالعہ کا بہت شوق ہے۔اسکول کے زمانے میں وہ بہت سارے جرائد ورسائل کا مطالعہ کرتی رہیں تھیں جس کی بنا پر ان میں بھی لکھنے لکھانے کی تحریک پیدا ہوئی۔ان کا اولین افسانہ''احساسِ شکست''اسکول میگزین کی زینت بنا تھا۔اس کی اشاعت ان کے تخلیقی ذوق کو جلا بخشی اور وہ تخلیقی میدان میں سرعت سے پیش رفت کرنے لگیں۔ انہوں نے پٹنہ کے خورشید عالم سے شاعری کے فنی پہلو سے آشنائی حاصل کی اور شاعری کرنے لگیں اور کولکاتا کے علاوہ دیگر شہروں کے مشاعروں میں بھی شرکت کرنے لگیں۔انہیں سیکھنے کی لگن بھی ہے،اگر چہ ادبی دنیا میں انہوں نے اپنی الگ شناخت پیدا کر لی ہے مگر ہنوز خود کو طفلِ مکتب تصور کرتی ہیں۔

ان کی شاعرانہ بصیرت کے اعتراف میں''گفتگو پبلی کیشن'' کی جانب سے انہیں سبھدرا کماری(SubhadraKumari)ایوارڈ اور آل انڈیا اردو ماس کمیونی کیشن سوسائٹی فار پیس کی جانب سے اردو انمول رتن کے ایوارڈ سے نوازا جا چکا ہے

زیر نظر مجموعہ ان کی اولین پیش کش ہے،اس کا نام انہوں نے سپتک رکھا ہے جو اردو والوں کے لئے ایک نامانوس نام ہے۔اس کے معنی ہے راگ اور سروں کی بندش۔اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی آنکھیں کھلی رکھتی ہیں اور ارد گرد رونما ہونے والے واقعات وسانحات کو شعری جامہ پہنا کر اپنی عصری حسیت کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔فوزیہ ردا کی شاعری عصر حاضر کے تقاضوں کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ان کی معاشرے پر بھی گہری نظر ہے۔گاہے گاہے انقلابی رنگ بھی نظر آتا ہے۔فوزیہ ردا کی شاعری جوانی کی تابانی اور اشک افشانی کے ساتھ ساتھ درد انسانی کا شاہکار ہے۔

مشتاق یوسفی فرماتے ہیں''سپتک'' کی غزلوں کے مطالعہ کے بعد یہ کہنا پڑتا ہے کہ فوزیہ اختر ردا میں شعر کہنے کی خداداد صلاحیت موجود ہے۔ان کی غزلوں میں محبت کی خوشبو رچی بسی ہے،ان کے سینے میں محبت بھرے دل کی دھڑکن صاف سنائی دیتی ہے''۔

امید ہے وہ آئے گا اجلی سحر کے ساتھ
تکتی ہوں اس کی راہ سوالی نظر کے ساتھ

یہاں چند ایسے اشعار پیش ہیں جن میں نسوانی جذبات کی بھر پور عکاسی ہوئی ہے۔

مجھے مل جائے گر شانہ ترا۔اسی پر آشیانہ چاہتی ہوں
مرے در پر وہ لوٹے گا یقیناً۔اسے اپنا بنانا چاہتی ہوں
حیرت زدہ ہے آئینہ بھی مجھ کو دیکھ کر۔یوں تیرے انتظار نے چہرہ بدل دیا

یہ اشعار نسوانی جذبات کی عکاسی کے ساتھ ساتھ جمالیات کی بھی عمدہ مثالیں ہیں آج کے سماجی،سیاسی اور اخلاقی پہلوؤں پر بھی ان کی نظر ہے اور اس طرح انہوں نے ان حالات کو شعری حصہ بنایا ہے

رہبری اس دور میں تھکنے لگی۔رہزنوں کا قافلہ پہلے سے تھا
ملتے ہیں عداوت سے بھی جیون میں سبھی لوگ
دشمن تو ملا کرتے ہیں ، پیارے نہیں ملتے
ملتا نہیں ذرا بھی۔انسان اک بشر سے

مختصر یہ کہ ان کی شاعری ذات سے کائنات کا سفر طے کرتی نظر آتی ہے۔ان کی شاعری کا انداز اور اظہار اس الاؤ کا پتہ دیتا ہے جس کا شاعرانہ شیلف میں روشن ہے اور جس کی تپش انہیں بے چین کیے ہوئے ہے۔

آخر میں انہیں کے ایک شعر پر اپنی بات ختم کرنا چاہوں گا۔

فوزیہ کا کوئی جواب نہیں
وہ بڑی خوش کلام عورت ہے

۱۳۵ صفحات پر مشتمل اس مجموعے کی قیمت ہے چار سو روپے اور کتاب اس نمبر پر حاصل کر سکتے ہیں MobileNo 9906663269

کتاب کا نام ندائے وقت

شاعر:۔محمد مطیع اللہ نازش مبصر:۔سعید رحمانی

مولانا محمد مطیع اللہ نازش ایک اچھے مقرر ہونے کے علاوہ شعروادب میں بھی اپنی مستحکم شناخت رکھتے ہیں۔گزشتہ صدی کی چھٹی دہائی سے ان کا ادبی سفر جاری ہے۔اس دوران ان کی متعدد کتابیں منظر عام پر آکر اہلِ ادب سے پذیرائی

حاصل کر چکی ہیں۔ یہ کتابیں نقد و تحقیق، اسلامی عمرانیات اور ترجموں پر مشتمل ہیں۔

زیر نظر مجموعہ سالِ رواں کے اوائل میں منظر عام پر آیا ہے۔ جس کی ابتدا پیش لفظ، تقریظ اور عرض مدعا کے ساتھ حمد باری تعالیٰ اور نعوت پاک سے ہوئی اس کے بعد غزلیات اور منظومات شامل ہیں۔ مطیع اللہ صاحب بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں، اب غزلیں بھی کہنے لگے ہیں۔ اس کتاب میں شامل غزلیں روایت سے جدیدیت کا سفر طے کرتے ہوئے عصر حاضر کا اشاریہ بن گئی ہیں۔ ان میں جمالیات کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کی دھڑکنیں بھی شامل ہیں۔ کہیں کہیں سیاست کی شعبدہ بازی ہیں تو کہیں کہیں معاشرتی ناہمواریوں پر طنز کے تیر چلایے گئے ہیں۔ جمالیات پر مبنی چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

آنکھوں آنکھوں سے پلائی آپ نے
مے کدے میں لڑکھڑانا یاد ہے
چمکی ہوگی کرن اچانک۔ رخ سے آنچل سرکا ہوگا
تو ملا تو مل گیا امید کا ساحل مجھے
ہے یقیں مل جائے گی کھوئی ہوئی منزل مجھے
بربریت ہر طرف پھیلی ہوئی ہے آج کل
راس آئے کیا بھلا رنگینیِ محفل مجھے

عصری حسیت کے حامل یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

عصرِ حاضر کی روشنی سے ملو۔ زخم سے چور آدمی سے ملو
بربریت ہر طرف پھیلی ہوئی ہے آج کل
راس آئے کیا بھلا رنگینیِ محفل مجھے
مہنگائی سے حال برا ہے کیسے کریں گے خاطر ہم
گھبراہٹ لگتی ہے بے حد، مہماں کے گھر آنے سے
مسند انصاف پر بیٹھا ہے نازشؔ اب وہی
قاتلوں میں جو نظر آتا رہا شامل مجھے

محولہ بالا اشعار آج کی معاشرتی ناہمواریوں کی سچی تصویر پیش کرتے ہیں۔ ہر طرف ظلم و بربریت جاری ہے۔ اس ترقی یافتہ دور میں بھی آدمی کو سکھ چین میسر نہیں۔ وہ حالات کے زخموں سے چور نظر آتا ہے مہنگائی کے سبب لوگ بھوک مری کے شکار ہو رہے ہیں۔ انصاف کا خون بھی ہونے لگا ہے۔

منظومات کے تحت شامل نظمیں جمالیات کے ساتھ ساتھ آج کے سماجی اخلاقی اور سیاسی صورت حال کی منظر کشی کی گئی ہے یہ سبھی نظمیں نثری نظم کی ہئیت میں ہیں، ان نظموں میں خارجی اشیاء سے ربط باہم اور ان کے ساتھ ذہنی مطابقت کا عمل کارفرما نظر آتا ہے۔ نثری نظم اگرچہ ثقہ حضرات کی نظر میں کوئی صنف نہیں، تاہم بیشتر شعرا اس صنف میں پہلے بھی طبع آزمائی کر چکے ہیں اور آج بھی کر رہے ہیں۔ میراجیؔ نے سب سے پہلے اس صنف پر طبع آزمائی کی تھی۔ ان کے بعد نیاز فتح پوری، سجاد ظہیر مجید امجد، ضیا جالندھری، وزیر آغا، عادل منصوری، عمیق حنفی، کمار پاشی، زیب غوری، فہمیدہ ریاض، کشور ناہید، خورشید الاسلام اور علیم صبا نویدی جیسے معتبر شعراء و شاعرات نے اس نثری نظم میں اپنے عمدہ نقوش مرتب کئے ہیں۔

مختصر یہ کہ نثری نظم کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں بحور و اوزان اور قافیہ و ردیف سے ماورا ہو کر صرف متن کو پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ان نئی نظموں میں استعارات و تشبیہات کے ساتھ ساتھ ایک جہانِ معنی پوشیدہ ہوتا ہے نیز یہ کہ اس کے توسط سے داخلی احساسات کی ترجمانی بڑی آسانی سے کی جا سکتی ہے۔

۱۵۲ر صفحات کو محیط اس کتاب کی قیمت ہے ۱۵۰ر روپے۔ ذیل کے پتے سے یہ کتاب حاصل کیا جا سکتا ہے۔

Md.MatiullahNazish.D/203,Sector-6. C.D.A.
MarkatNagar,Cuttack-753014(Odisha
Mob-7978347075

کتاب کا نام:۔ تبسم کی کہکشاں (طنز و مزاح)
مصنف کا نام:۔ اقبال سلیم مبصر:۔ سعید رحمانی

اردو ادب میں طنز و مزاح کو ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ مگر اس میدان میں شہہ سواروں کی تعداد کو تشفی بخش نہیں کہا جا سکتا۔ ماضی میں ابنِ انشاء، شوکت تھانوی، کنہیا لال کپور، ابراہیم جلیس، فکر تونسوی، کرشن چندر، مشفق خواجہ، مشتاق احمد یوسفی، یوسف ناظم، مجتبیٰ حسین، منور رانا، اقبال انصاری، مختار ٹونکی، اور قیوم بدر جیسے مزاح نگار اپنی بصیرت و بصارت کے چراغ روشن کر گئے ہیں۔ حالیہ برسوں میں جو مزاح نگار سرگرم سفر ہیں ان میں ایک نام اقبال سلیم کا بھی ہے۔

اقبال سلیم بنیادی طور پر ایک افسانہ نگار ہیں۔ جن کے افسانے تواتر سے اخبارات و رسائل کی زینت بن رہے ہیں۔ ایک افسانوی مجموعہ بعنوان "میرے بھی صنم خانے" شائع ہو کر اہلِ ادب سے خراج حاصل کر چکا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے انشائیہ نگاری اور مزاح نگاری کی جانب توجہ مبذول کی تو بہت سارے مضامین لکھ ڈالے اور طنز و مزاح پر مبنی مجموعہ "تبسم کی کہکشاں" منظر عام پر لے آئے اس میں کل ۱۶ر مضامین شامل ہیں جن کے مطالعہ سے یہ بات کھل کے سامنے آ جاتی ہے کہ اقبال سلیم صاحب میں حسِ مزاح کا عنصر غالب ہے۔ بقول رفیق شاہین "وہ اپنی لفظی شعبدہ بازی گری اور کودا پھاندی کے دوران میں معنی کا کوئی ایسا پہلو اجاگر کر دیتے ہیں کہ قارئین کے لبوں پر تبسم کی کلیاں کھل جاتی ہیں"۔

وہ مزاح نگاری کے گر سے بخوبی واقف ہیں۔ گرد و پیش میں رونما ہونے والے واقعات کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ان میں طنز و مزاح کا رنگ واضح ہو جاتا

ہے۔مثال کے طور پر اپنے ایک مضمون ''سگریٹ نوشی ہماری'' میں سگریٹ کے تعلق سے فرماتے ہیں ''یہ ایک سلنڈر ہوتا ہے جس کے ایک سرے پر آگ ہوتی ہے اور اس کا دوسرا سرا ایک بے وقوف کے منہ میں ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ یہ سبھی افسانے لائقِ تحسین ہیں جن میں طنز کا نشتر بھی ہے اور مزاح کا پہلو بھی۔ ہنسی ہنسی میں انہوں نے طنز کے نشتر چلائے ہیں اس کی کاٹ قاری کو کچوکے لگاتی رہے گی، اور حقیقت حال اس پر روشن ہو جاتی ہے۔

امید ہے کہ یہ مجموعہ اہلِ ادب میں پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔۱۴۲ر صفحات کو محیط اس کتاب کی قیمت ہے ۱۲۵ر روپے اور مصنف کا پتہ ہے۔

Iqbal Saleem,No.97-Aiwan.e.Tahera
8th Cross,4th Main J.H.B.C.S Layout
Mob no 9845006115-J.P.Nagar Bangalore-560078

کتاب کا نام:۔اردو کی برکتیں (طنز و ظرافت)

مصنف:۔جہانگیر انس مبصر:۔سعید رحمانی

جہانگیر انس صاحب درس وتدریس کے شعبہ سے وابستہ رہے اور ترقی کر کے ہیڈ ماسٹر کے عہدے سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔ان کا آبائی وطن موضع رانی پور، بڑہریا،ضلع سیوان (بہار) ہے۔ولادت ۳ر مارچ ۱۹۵۰ء کو بردوان (مغربی بنگال) میں ہوئی تھی۔

گزشتہ صدی کی ساتویں یا آٹھویں دہائی سے ان کا ادبی سفر جاری ہے۔وہ ایک اچھے نثر نگار ہیں اور خصوصاً طنز و ظرافت کے موضوع پر ان کے مضامین نہ صرف دلچسپ ہوتے ہیں بلکہ عصری موضوعات سے بھی آشنا کراتے ہیں۔ان مضامین میں ان کی ظریفانہ فطرت کو واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔

ان کے موضوعات کا دائرہ کافی وسیع ہے، جس میں سیاست، مہنگائی، جمہوریت، مذہبی و معاشرتی پہلو اور کاروبار زندگی کے بہت سارے مسائل قاری کو دعوت فکر دیتے ہیں ''اردو کی برکتیں'' زیر نظر کتاب کا سرنامہ ہے، جس میں انہوں نے ایک شکست خوردہ سیاست داں کا نقشہ بڑے لطیف پیرایے میں کھینچا ہے۔کہتا ہے۔

''شب کی تاریکی کی گود سے ہی صبح کی روشن کرن نمودار ہوتی ہے۔تاریکی کا ماتم کرنے کے بجائے حوصلے سے کام کرو، ہنگامہ کرو، کوئی نیا شوشہ چھوڑو اور کچھ نہیں تو اردو کے مسئلے کو از سر نو زندہ کرو۔یہ ایک حساس اور جذباتی مسئلہ ہے، سال بھر کے اندر الکشن ہوگا اور الکشن کے لئے اردو ایک ایسا سکہ ہے جو کسی بھی سیاسی پارٹی کے کاؤنٹر میں بھنایا جا سکتا ہے''

مذکورہ موضوعات کے علاوہ ادب اور ادیب پر بھی طنز کے نشتر چلائے ہیں۔انہوں نے اپنے مضامین میں ادب کی زبوں حالی اور ادیب کی جسارت کو طنزیہ پیرایے میں بڑی خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے۔

مختصر یہ کہ جہانگیر انس صاحب نے مزاح کے رنگ میں کاروبار زندگی کے ایسے ایسے گوشے پیش کیے ہیں جن کے مطالعہ سے قاری نہ صرف متاثر ہوتا ہے بلکہ ان میں بصیرت اور بصارت کے چراغ بھی روشن نظر آتے ہیں۔یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ان مضامین سے جہانگیر انس صاحب کی فنی مہارت اور ریاضت کا پتہ چلتا ہے۔ظرافت کے باب میں زیر نظر کتاب ایک گرانقدر اضافہ ہے اور امید ہے کہ اس کی پذیرائی خوش دلی سے کی جائے گی۔۱۹۲ر صفحات کو محیط اس کتاب کی قیمت ہے ۳۰۰ر روپیا ے اور مصنف کا پتہ ہے۔

Jahangir Anus.At.Ranipur-Post.Barharia
Dist.Siwan-841232(BIHAR)

کتاب کا نام:۔سائبان شیشے کا (شعری مجموعہ

شاعر کا نام:۔احمد بدر مبصر:۔سعید رحمانی

عصرِ حاضر کے شعری منظر نامے میں احمد بدر کو منفرد شناخت حاصل ہے۔معاشرتی ناہمواریوں پر اپنی شاعری میں کہیں وہ طنز کے نشتر چلاتے ہیں تو کہیں رموز حیات کی گرہ کشائی بھی کرتے نظر آتے ہیں۔انداز بیاں کہیں پر تو راست ہے اور کہیں تلمیحات واستعارات کے برملا استعمال سے شعر میں گہرائی و گیرائی پیدا کر دیتے ہیں۔ان سب خوبیوں کے باوصف کسر نفسی سے کام لیتے ہیں۔خود کو ایک اوسط درجے کا سخن ور تسلیم کرتے ہیں۔یہ ان کا بڑا پن ہے۔کیونکہ ان کی شاعری نہ صرف معیاری ہے بلکہ اپنے اندر اثر پذیری بھی رکھتی ہے۔ان کی شاعری کے تعلق سے پروفیسر علیم اللہ حالی صاحب فرماتے ہیں''۔مجھے ان کے شعری مجموعے''سائبان شیشے کا'' کا مسودہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔مجموعہ غزلوں کا ہے۔جیسے جیسے مطالعہ کیا تو یہ اندازہ ہوتا گیا کہ غزلوں کی بھیڑ میں یہ مجموعہ آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے امتیازی لہجہ اپنایا ہے۔''

مجموعے میں شامل غزلوں کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ احمد بدر صاحب اپنی آنکھیں کھلی رکھتے ہیں اور ارد گرد رونما ہونے والے واقعات کو شعری لباس اس طرح عطا کرتے ہیں کہ پورا منظر نامہ ہماری آنکھوں کے سامنے واضح ہو جاتا ہے۔سب سے پہلے ان کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیں جس میں انہوں نے شاعری کے مطالبات کا اظہار کیا ہے۔

پردہ لازم ہے استعارے کا۔فاش گوئی بھی بے لباسی ہے

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فاش گوئی یا راست بیانی سے اشعار اس قدر تاثر پذیر نہیں ہوتے جتنے استعاراتی پیرایے میں ہوتے ہیں۔خوشی کی بات ہے کہ اس مجموعہ میں اکثر اشعار استعاراتی پیرایے میں ڈھل جاتے ہیں۔اس ضمن میں چند اشعار پیش خدمت ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

ہمارے دور کے سورج بھی اک معمہ ہیں۔تپش بہت ہے مگر ان میں نور کتنا ہے

لباس لفظ نے برہنہ خیال کو مانگا۔تکلفات کا جامہ سوال نے مانگا

اس حویلی میں کم ہیں روشن دان ۔ چار دیواریاں فصیل بہت

ہراک نہیں میں نہاں ایک ہاں سا کچھ تو ہے۔ سلگتی ریت پہ آبِ رواں سا، کچھ تو ہے

یہ اشعار آج کے انہدام پذیر معاشرے کی جھلکیاں پیش کرتے ہیں اور ساتھ میں یہ کوشش کہ معاشرے کو کس طرح خوشگوار بنایا جائے۔

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ شعر کہتے وقت کچھ ایسے اشعار دانستہ یا نادانستہ وارد ہو جاتے ہیں جن میں شاعر کی شخصیت واضح نظر آنے لگتی ہے، مثلاً یہ اشعار دیکھیں۔

خودکو پہچانتا نہیں ہوں میں۔ خود شناسی خدا شناسی ہے

بہت وسعت ہے اپنی ذات میں بھی۔ میں خود میں بھی سمایا جا رہا ہوں

مجموعے کی ابتدا حسب دستور تقدیسی شاعری سے ہوئی ہے۔ حمد و نعت، مناجات اور مناقب شامل ہیں۔ اس کے بعد بزمِ غزل کے عنوان سے غزلوں کا سلسلہ دراز ہوتا گیا ہے۔ آخر میں منظومات، دوہے، قطعہ تاریخ اور تعزیتی قطعات وغیرہ ہیں۔

مذکورہ حقائق کی روشنی میں وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ احمد بدر صاحب کی غزلیہ شاعری میں تغزل کے دھنک رنگ اجالے بکھرے ہوئے ہیں اور اس کی مہکتی فضا قاری کے ذہن و دل کو معطر کرتی ہے۔ امید واثق ہے کہ اہلِ ادب خوش دلی سے اس کی پذیرائی کریں گے۔ ۱۴۴ صفحات کو محیط اس کتاب کی قیمت ہے ۲۰۰ روپے۔

شاعر کا پتہ ہے:۔

Ahmed Badr,Department of Urdu.Karim City College
Jamshedpur-(Jharkhand)

کتاب کا نام: سرکار کی باتیں (نعتیہ دیوان)

شاعر کا نام: ڈاکٹر شاداب ذکی بدایونی مبصر: سعید رحمانی

آج کل شعری مجموعے تو کثرت سے شائع ہو رہے ہیں لیکن دیوان کی اشاعت خال خال ہی ہوتی ہے۔ جگر مراد آبادی کے دیوان ''آتشِ گل'' کی اشاعت کے بعد اب تک کوئی قابل ذکر دیوان نظر سے نہیں گزرا۔ جہاں تک صوبہ اڈیشا کا تعلق ہے تو یہاں انیسوی صدی سے آزادی تک کئی صاحب دیوان شعراء کے دیوان شائع ہوئے تھے۔ ان شعراء میں امین اللہ چرخی، عبدالمجید بھویاں حیا، معلم سنبلپوری، محمد یوسف یوسف، عبدالعزیز عاشق وغیرہ کا نام لیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد دیوان کی اشاعت کا سلسلہ ایک مدت تک منقطع رہا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ اس کا احیا پروفیسر کرامت علی کرامت مرحوم نے ۲۰۰۶ء میں ''شاخِ صنوبر'' کی صورت میں کیا۔ اس مجموعے کی ابتدا نظموں سے ہوئی اور آخر میں ''خواب خواب لمحہ'' کے عنوان سے مکمل دیوان شامل ہے۔

رواں صدی میں مزید تین نعتیہ دیوان شائع ہو چکے ہیں۔ جن کے نام ہیں ''دیوانِ صابر'' از ڈاکٹر صابر سنبھل، ''راہِ نجات'' از شاکر سالمی بدایونی اور ''جاگتے الفاظ'' از حفیظ محمود بلند شہری۔ اسی سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے مئی ۲۰۲۳ء میں ڈاکٹر شاداب ذکی بدایونی صاحب کا نعتیہ دیوان ''سرکار کی باتیں'' منظر عام پر آ کر اہلِ ادب کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اس سے قبل ان کے دو مجموعے ''اللہ الحمد'' اور ''دیوان حمد'' شائع ہو چکے ہیں۔

بہر حال زیر نظر دیوان میں سبھی نعوت پاک غزل کی ہیئت میں ہیں۔ اس میں شامل سبھی نعتیں شاعر کے عشقِ رسول ﷺ اور حضور اکرم ﷺ سے والہانہ عقیدت کی مظہر ہیں۔ بقول ڈاکٹر سراج احمد قادری ''ڈاکٹر صاحب کے اس دیوانِ نعت کے لیے صرف اتنا عرض کرنا چاہوں گا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نعتیہ شاعری کے حوالے سے ایک لازوال کاوش ہے جس میں نعتیہ شاعری کی ان ساری خوبیوں کو پیشِ نظر رکھ کر فکر و فن کا مظاہرہ کیا گیا ہے''۔

بقول علیم صبا نویدی ''شاعر نے فکری طہارت و تقدس کا جو پیرہن لفظوں کو عطا کیا ہے وہ نہایت ہی پر کشش اور متبرک ہے۔ ان کی شاعری کی نمایاں خصوصیت ان کی سلاست، سادگی و پرکاری اور تغزل و روانی ہے''۔

امجد حسین حافظ کرناٹکی صاحب فرماتے ہیں ''شاداب ذکی نے شعر صرف شعر گوئی کی غرض سے نہیں کہے ہیں اور نہ نعتیں محض نعتیہ شاعری کی روایت کے استحکام کے لیے کہی ہیں۔ بلکہ یہ ساری باتیں انہوں نے دل پر بیتی واردات کے تناظر میں کہی ہیں۔ اس لیے ان کی نعتوں کا ذائقہ دوسرے شعرا سے مختلف ہے''۔

ڈاکٹر شاداب ذکی صاحب ان دنوں علیل ہیں لیکن شعر و سخن کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ اس ضمن میں ان کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

ڈال دے شاداب کی جھولی میں بھی صحت کے دن

اپنی رحمت سے شفائے دائمی دیتا ہے تو

کون دے دکھ کی دوا تیرے سوا۔ کون ہے شاداب کا تیرے سوا

اور بارگاہِ رسالت مآب پر گلہائے عقیدت کا نذرانہ یوں پیش کرتے ہیں

ہے عشقِ مصطفیٰ بھرپور جس میں۔ وہی شاداب ہیں اشعار جامع

عظمت کے مینار ہیں آپؐ۔ خالق کے شہکار ہیں آپؐ

شان میں ان کی جو لکھے الفاظ۔ سب سے اچھے ہیں وہ مرے الفاظ

چاند دو ٹکڑے ہوا، دیکھا گیا بھارت میں بھی۔ آپؐ نے جب اپنی انگلی کا اشارہ کر دیا

یہ تلوارِ محبت ہے کہ اخلاقِ محمدؐ ہے۔ عدو بڑھیا کے لب پر آ گیا کلمہ محمد کا

سیدھے سادے لفظوں میں یہ اشعار نہ صرف تاثر پذیری کے حامل ہیں بلکہ شاعر کے عشقِ رسول کی ترجمانی بھی کرتے ہیں اور تلمیحاتی فضا بھی استوار کرتے ہیں۔ مختصراً کہنا چاہوں گا کہ ڈاکٹر شاداب ذکی صاحب نے دل کی گہرائی سے عقیدت کے نذرانے پیش کیے ہیں۔ دعا ہے کہ بارگاہِ رسالت مآب میں شرف قبولیت حاصل کریں۔ ۱۹۸ صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت ہے دو سو روپے اور شاعر کا پتہ ہے

Shadab Zaki ,Zaki Manzil-Mohalla
Sotha-Jummi Chowk-Badayun-243601
M.NO-9997048150

کتاب کا نام (تنقیدی و تحقیقی مضامین)

مصنف کا نام:۔حنیف نجمی مبصر:۔سعید رحمانی

حنیف نجمی ایک ہمہ جہت قلم کار ہیں۔نظم ونثر ہر دو میدان میں انہوں نے تخلیقی گل بوٹے کھلائے ہیں،جن کی مہک اردو دنیا کو معطر کررہی ہے۔گزشتہ صدی کی آٹھویں دہائی سے ان کا ادبی سفر جاری ہے۔''سفینۂ غزل''اور''روشنی کا سفر''کے عنوان سے دو شعری مجموعے منظر عام پر آکر خراج حاصل کر چکے ہیں۔ موخرالذکر مجموعہ میں لفظوں کا ترجمہ فارسی میں کیا گیا ہے۔غیر مطبوعہ کتابوں میں جمالیاتِ شیکسپیر (سانٹوں کا منظوم ترجمہ)،''غالب کے دو رنگ اور فرعون کی لاش (دیوناگری) شامل ہیں۔یہ کتابیں جلد ہی منظر عام پر آنے والی ہیں۔

زیر نظر مجموعہ تنقیدی اور تحقیقی موضوعات پر مبنی ہے۔اس میں کل چودہ مضامین شامل ہیں۔پہلا مضمون''صنف غزل اور بین التونیت''ہے جس میں انہوں نے خسرو کی ایک بیت کے حوالے سے تحقیقی امور انجام دیے ہیں،اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اگر ایک شاعر کسی دوسرے شاعر کا مضمون مستعار لے کر اسے اور بہتر طریقے سے پیش کرتا ہے تو اسے سرقہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اس نے پرانے مضمون کو نیا آب ورنگ دے کر اور بھی حسین بنا دیا ہے۔چنانچہ حنیف نجمی صاحب نے مختلف شعراء کے ہم موضوع اشعار کا حوالہ پیش کر کے اپنی رائے کی توثیق کی ہے۔اس سلسلے میں انہوں نے بہت سارے شعراء کا حوالہ دیا ہے جن میں کچھ نام ہیں سودا،میر،مصحفی،نظیر اکبرآبادی،ناسخ،بہادر شاہ ظفر،غالب، سیماب،جگر مرادآبادی،کالی داس گپتا رضا،مخمور سعیدی وغیرہ وغیرہ۔آخر میں وہ اس نتیجہ میں پہنچتے ہیں کہ''پرانے کی تعمیرِ نو کی کاوش میں غالب و میر سمیت کئی شاعر گلہائے تر پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں،جو گلہائے تر پیدا نہ کر سکے وہ خس و خاشاک پیدا کرنے کے بھی مرتکب نہیں ہوئے۔استفادے کی کامیابی کا یہ بھی ایک پہلو ہے۔

مختصر یہ کہ تحقیقی نوعیت کا یہ مضمون بہر طور لائق تحسین ہے۔جس کے لئے حنیف نجمی مبارک باد کے مستحق ہیں۔۲۷۶ رصفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت ہے ۲۷۵ روپے اور مصنف کا پتہ ہے۔

حنیف نجمی۔فیصل ولا۔نیاپاڑا۔دھمتری ۴۹۳۷۷۳ (چھتیس گڑھ)

☆☆☆

عبدالسلام کوثر
Junihatri.At&P.O:Rajnanadgaon
ChhatiusGarh-491441
Mob-9300212960

غزل

یاد آئی آپ کی اور اس قدر آئی کہ بس
بیٹھے ہی بیٹھے طبیعت اتنی گھبرائی کہ بس

اُس طرف اس شوخ نے زلفوں کو بکھرایا ہی تھا
اِس طرف خوشبو کی اک ایسی لہر آئی کہ بس

ڈوب کر جس میں ابھرنے کا نہ تھا کوئی جواز
جھیل سی آنکھوں میں تھی کچھ ایسی گہرائی کہ بس

سوچتا ہی رہ گیا آغوش میں لے لوں اسے
اس ادا سے آئی تھی ظالم کو انگڑائی کہ بس

گرم آنسو بہتے بہتے خون کے آنسو بنے
عہدِ ماضی کی چلی کچھ ایسی پروائی کہ بس

ہو گیا رخصت تکبر سر سے' آنکھیں کھل گئیں
وقت کی ٹھوکر نے ایسی راہ دکھلائی کہ بس

بھاپ بن کر آنکھ کا پانی ہوا میں اڑ گیا
اس نئی تہذیب نے وہ آگ برسائی کہ بس

ہو گئے احباب محسنؔ' آشنا سب اجنبی
اس قدر آئی مرے حصے میں رسوائی کہ بس

فصلِ گل میں کھو گیا کوثرؔ نشیمن اس طرح
باغ میں پھولوں نے ایسی چھاونی چھائی کہ بس

طرحی مشاعرہ

مصرعِ طرح ”ہم نے بھی تجھے پیار کے مکتوب لکھے تھے“ پر غزلیں پیش ہیں۔ اگلے شمارے کے لیے طرح نوٹ فرمائیں: ”یہ زندگی تو کوئی بددعا لگے ہے مجھے“ (شاعر۔ جاں نثار اختر) قوافی بددعا‘ جھانکتا‘ برا غیرہ‘ ردیف: لگے ہے مجھے۔ پانچ اشعار پر مشتمل آپ کی طرحی غزل ۱۵؍دسمبر ۲۰۲۳ء کے اندر ہمیں مل جانی چاہیے۔ رسالہ اگر تاخیر سے ملے تو وصول یابی کے ایک ہفتے کے اندر ارسال کرسکتے ہیں۔ (ادارہ)

سید اولادِ رسول قدسی (امریکہ) Mob-+1(832)352-1992

مدت سے رہِ کرب پہ مظلوم کھڑے تھے
اس طرح تھے خاموش کہ ہونٹ ان کے سلے تھے

ہیں یاد ہمیں آج بھی اس دور کی باتیں
”ہم نے بھی تجھے پیار کے مکتوب لکھے تھے“

شعروں کے ہیں اب بھی در و دیوار معطر
آنگن میں مری فکر کے جو پھول کھلے تھے

باقی ہے اثر ان کا عداوت کے جگر میں
احباب نے جو زخم محبت کے دیے تھے

وہ بند ہوے بند نہ ہوں گے کبھی قدسی
یادوں کے مرے دل میں جو ابواب کھلے تھے

تنویر پھول (امریکہ) Mob-5182217060

کیا حال تھا وفا کا سبھی رنگ نئے تھے
جب پہلے پہل ارض پہ انسان بسے تھے

ماضی کے جھروکوں میں گہر بن کے ہیں چمکے
اے یار! تری آنکھ سے آنسو جو بہے تھے

شاید کہ ترے دل میں وہ یادیں ہوں ابھی تک
ہم نے بھی تجھے پیار کے مکتوب لکھے تھے

آنکھوں میں اداسی لئے وہ ڈوب رہا تھا
ساحل پہ کھڑے لوگ اسے دیکھ رہے تھے

اے پھول وہی لوگ ہوئے زیست میں فرحاں
جو عزم کا پرچم لئے ہاتھوں میں چلے تھے

خلیق الزماں خلیق۔ سیوان بہار Mob-8009025588

بس چند برس پہلے یہاں پیڑ کھڑے تھے
تخریب کی آنکھوں میں مگر چبھنے لگے تھے

خوشبو نہ رہی گیسوئے دلدار کے جیسی
پھولوں میں بھی فتنوں کے کئی بیج پڑے تھے

شبنم کے یہ قطرے کہاں آنسو کے مقابل
نم ناک تجھے دیکھ کے ہم غم میں ڈھلے تھے

اب اپنی حماقت کا ہمیں رنج بہت ہے
”ہم نے بھی تجھے پیار کے مکتوب لکھے تھے

تھی اور کوئی بات خلیق اس نے دغا کی
واللہ محبت میں تو ہم ساتھ چلے تھے

منور علی تاج (اجین مدھیہ پردیش) Mno.700447654

جو اشک جدائی کے زمینوں پہ گرے تھے
گلشن میں وفا کے وہ گلابوں سا کھلے تھے

دشمن تھے وفا کے جو کہ ندامت میں گڑے تھے
لیکن جو وفادار تھے وہ آگے کھڑے تھے

قرطاس کے ہونٹوں پہ صنم اپنے لہو سے
ہم نے بھی تجھے پیار کے مکتوب لکھے تھے

یوں ہی نہیں ملتا ہے کبھی کوئی کسی سے
اللہ کی مرضی تھی جو ہم تم سے ملے تھے

اے تاج کسی پر نہ کبھی انگلی اٹھاؤ
اعمال ہر اک شخص کے کچھ اچھے برے تھے

میم۔عین۔ لاڈلہ (۲۴؍پرگنہ) Mob.9331457143

قصے جو ترے پیار کے لوگوں سے سنے تھے
یہ سچ ہے یا نہیں چہروں کے بھی عکس دکھے تھے

شاید کہ پہنچ پائی نہ عرضی ترے در تک
ہم نے بھی تجھے پیار کے مکتوب لکھے تھے

دامن وہ چھڑا بیٹھے ہیں کچھ پل کا رہا ساتھ
بس نام کے ہی لوگ مرے ساتھ چلے تھے

ہوتی ہے مجھے آج بھی ان لوگوں سے نفرت
مطلب برای کے لئے جو مجھ سے ملے تھے

مرجھا رہے ہیں باغ میں نفرت کی ہوا سے
الفت کے یہاں لاڈلہ جو پھول کھلے تھے

سید خادم رسول عینی (حیدر آباد) Mob-9668462040

اک فرد کے آگے سبھی اشخاص کھڑے تھے
اک موم کے آگے سبھی پتھر بھی جھکے تھے

تو نے نہیں لکھا ہے جواب اس کا ابھی تک
”ہم نے بھی تجھے پیار کے مکتوب لکھے تھے“

دب کے رہے اس واسطے باطل سبھی اب تک
حق کے لیے ہم سولی پہ بھی یار کھڑے تھے

لذت ہمیں محسوس ہوئی کرتی ہے اب تک
ہم نے ترے ہاتھوں پہ کبھی ہاتھ رکھے تھے

خدشات سدا ظلمتِ شب میں ہی ہیں عینی
دن میں بھی بھلا کیوں مرے اموال لٹے تھے

محمد باعشن مغموم (کلکتہ) Mob-9830355610

ہم نے بھی تجھے پیار کے مکتوب لکھے تھے
ہنس ہنس کے بہت تم نے وہ مکتوب پڑھے تھے

شعلوں کو ہوا دیتا تھا بیدرد زمانہ
کچھ لوگ مگر آگ بجھانے میں لگے تھے

مشکل پڑی مجھ پر تو بھرم کھل گیا سب کا
جو لوگ کھرے تھے وہ مرے ساتھ کھڑے تھے

یہ رب کی نوازش تھی کرم تھا یہ خدا کا
بادل بھی مرے سر پہ تھا سائے بھی مرے تھے

لالچ نہ ہوس تھی نہ تمنائے زر و سیم
حق کے لئے اربابِ فلسطین لڑے تھے

سعید قادری‘ صاحب گنج مظفر پور (بہار) Mob-9199533834

ہم شہرِ محبت سے تو اس طرح چلے تھے
الزام سبھی اپنے ہی سر سے تو بندھے تھے

محبوب کی مدحت میں غزل ہم نے کہی تھی
ہونٹوں پہ مگر اس کے فقط شکوے گلے تھے

تم نے جو چلایے تھے کبھی تیر جو ہم پر
اغیار بھی یہ دیکھ کے سکتے میں کھڑے تھے

تم نے تو کبھی اس کا جواب ہی نہیں بھیجا
ہم نے بھی تجھے پیار کے مکتوب لکھے تھے

اب تک تو سعید اس کو جتن ہی سے رکھا ہے
انعام میں تم نے جو اسے زخم دئے تھے

ڈاکٹر نسیم اختر بنارس Mob.8004233796

بالکل نہ حریفانِ محبت سے ڈرے تھے
ہم نے بھی تجھے پیار کے مکتوب لکھے تھے

دیکھو کبھی ہم لوگ بلندی پہ کھڑے تھے
اب آ گئے نیچے کہ سہارے سے جڑے تھے

نفرت کی حمایت میں سبھی لوگ کھڑے تھے
پر ہم تو محبت کے لئے تنہا لڑے تھے

میں حمد بیاں کتنی کروں نظمِ خدا کی
کانٹوں میں سبھی پھول بھی پھل پھول رہے تھے

دنیا میں کہیں جائے اماں جب نہ ملی تو
ہم رب کی رضا سے ہی مدینے کو گئے تھے

حسرت صفی پوری (کانپور) Mob-

خوشیوں کے مناظر تو نگاہوں سے پرے تھے
ہونٹوں پہ مرے پھر بھی نہ شکوے تھے گلے تھے

دیکھا ہے انہیں ٹوٹ کے پلکوں پہ بکھرتے
وہ خواب جو برسوں مری آنکھوں میں پلے تھے

سورج کی تمازت نے مجھے راہ دکھائی
بے چین تھے وہ لوگ جو سائے میں کھڑے تھے

محروم ہمیں رکھا ہے منزل سے اسی نے
ہم جس کے لئے راہ پہ بے سمت چلے تھے

دنیا نے کبھی یاد نہ رکھا انہیں حسرت
اشجار جو طوفاں کے تھپیڑوں سے گرے تھے

عظمت علی عظمت (کرنول)
98667925 09

وعدے جو کبھی ساتھ نبھانے کے کیے تھے — ہم نے بھی تجھے پیار کے مکتوب لکھے تھے
بس ایک جھلک دیکھنے کی دل میں تھی خواہش — دیدار کی امید میں برسوں سے کھڑے تھے
اس روز کی یادیں ہیں ابھی ذہن میں منقوش — چھوڑا ہے پہ جس روز جو تم ہم سے ملے تھے
پھر پیاس کی شدت انہیں تڑپا نہیں سکی — کچھ ند تھے ایسے تری آنکھوں سے پئے تھے
محسوس ہوا ہے مجھے عظمت سر محفل — کچھ لوگ بھلے تھے مگر کچھ لوگ برے تھے

ارشد قمر، پلاموں۔ جھارکھنڈ
Mob-8092535235

مجبوریٔ حالات سے ہم ایسے بندھے تھے — ہم بول تو سکتے تھے مگر چپ سے رہے تھے
ہم کتنے پر سکون تھے جب تم سے ملے تھے — پھر کتنے حسیں خواب نگاہوں میں سجے تھے
آواز تمہیں دیتے ہیں پھر آج وہیں سے — تم چھوڑ کے تنہا جہاں کئی بار گئے تھے
یہ کیسا حادثہ تھا کہ جڑ سے اکھڑ گئے — وہ پیڑ جو طوفاں کے تھپیڑوں میں کھڑے تھے
پوچھو نہ قمر کل کی اداسی کا سبب آج — کیوں چہرے سبھی خوف کے سائے میں گھرے تھے

صابر کاغذنگری
Mob-9441020768

تحریر میں الفاظ کے موتی ہی جڑے تھے — ہم نے بھی تجھے پیار کے مکتوب لکھے تھے
ہر وقت یقیں جن کا تذبذب میں رہا تھا — دراصل وہی لوگ حقیقت سے پرے تھے
منزل پہ پہنچنے کے عزائم تھے انہیں میں — جو راہِ صداقت پہ بصد ناز چلے تھے
جو علم کے پیکر تھے یہاں شعروادب میں — انمول وہی گوہرِ نایاب رہے تھے
صابر جو رہے ڈٹ کے حریفوں کے مقابل — وہ جنگ کے میداں میں ظفریاب ہوئے تھے

اجۓ کمار پنڈا عالم سنبلپور
Mob-9776031506

لے کر بڑے ارمان ترے ساتھ چلے تھے — دریا کی طرح ہم تری الفت میں بہے تھے
چاہت میں تری باغ کے ہر پھول کھلے تھے — آمد کی خوشی میں تری ہم بھی تو سجے تھے
قاصد نے ہمیں دھوکے میں رکھا تھا وگرنہ — ہم نے بھی تجھے پیار کے مکتوب لکھے تھے
برسوں سے ہے رشتہ یہ ہمارا مگر اب بھی — لگتا ہے ہمیں ایسا کہ ہم کل ہی ملے تھے
بازر سیاست میں نہیں چل سکے ورنہ — جتنے مرے رفیق تھے عالم وہ کھرے تھے

نور سلطان پوری کانپور
Mob-9936340629

ارمان مرے دل کے سبھی خاک ہوئے تھے — جب طنز کے پتھر تری جانب سے چلے تھے
سنبھلے تھے کئی بار کئی بار گرے تھے — اس وقت ترے پیار میں شکوے نہ گلے تھے
تب جا کے کہیں مجھ سے مخاطب وہ ہوئے تھے — جب اشک مری آنکھوں سے دو چار گرے تھے
یوں حسن پہ اترانا نہیں ٹھیک ذرا سوچ — پھولوں کی ترازو میں کبھی ہم بھی تلے تھے
ماں باپ سا کوئی بھی نہ تھا نور جہاں میں — اس واسطے سورج کی تمازت میں جلے تھے

محمد مجیب اللہ خاں پرواز، بھوبنیشور
Mob-9437581492

ہم پر وہ عداوت کا ستم ڈھاتے گئے تھے — برداشت بہت صبر سے ہم کرتے چلے تھے
جب بند ہوئے نوٹ تو عالم یہ ہوا تھا — لاچار بہت لوگ دکانوں میں کھڑے تھے
اک روز غریبی کا اندھیرا بھی ہٹے گا — ہم سوچ رہے آج ہیں کل سوچ رہے تھے
آمد سے تری جانِ وفا چین ملا ہے — مدت سے جدائی کی سزا کاٹ رہے تھے
پرواز سدا یاد ہمیں آتے ہیں باپو — آزادی کا تحفہ وہ بنا لڑ کے دئے تھے

قیصر واحدی کامٹی، ناگپور
Mno-9371477590

غیروں نے اگر دعوے محبت کے کیے تھے — ہم نے بھی تجھے پیار کے مکتوب لکھے تھے
ان قصوں سے ثابت ہے جو ہم نے سنے تھے — ہم اہلِ محبت پہ ستم ہوتے رہے تھے
کیوں بند ہوئے در تری رحمت کے خدایا — دنیا سے ہمیشہ ہمیں دکھ درد ملے تھے
گلزاروں میں رہتے ہوئے بھی کیوں ہیں پریشاں — دیکھو ہمیں کہ ہم سدا کانٹوں پہ رہے تھے
قیصر ہوئی نفرت سے فضا کس طرح مسموم — پیغام سدا ہم نے محبت کے دیے تھے

نظام مجھولیاوی مظفر پور، بہار
Mob-9973047938

وہ یاد ہے جگہ جہاں ہم لوگ ملے تھے — اپنی نئی دنیا کی طرف بھاگ چلے تھے
کچھ فاصلے رکھئے کہ یہ ظالم ہے زمانہ — قصے تو یوں فرہاد کے مجنوں کے بڑے تھے
ظالم تھا، ستم ڈھاتا رہا وہ مرے آگے — میں کچھ نہ کر سکا کہ مرے ہاتھ بندھے تھے
تم نے جواب اوروں کو الفت سے دیا تھا — ہم نے بھی تجھے پیار کے مکتوب لکھے تھے
جو با ادب ہے اس کا مقدر حسیں نظام — استاد کے انمول سبق ہم نے پڑھے تھے

رفیع احمد آفتاب، چمپارن، بہار
Mob-9931466376

ہم ڈھول کی مانند ستاروں میں پڑے تھے — ٹکرا کے ہواؤں سے چمکنے بھی لگے تھے
ادوں کے حوالے سے نشاں مٹ گئے سارے — ہم نے بھی تجھے پیار کے مکتوب لکھے تھے
کچھ خواب قرینے سے سجائے تھے جو ہم نے — بکھرے تو یہ احساس ہوا خواب بڑے تھے
اب کھل گیا ہے ادبی محاذ آرائی کا دفتر — ہم بھی تو کسی فن کے سپہ سالار بنے تھے
گنگا کی صفائی سے ہوئی دل کی صفائی — تہذیب کے گل بوٹے کنارے پہ کھلے تھے

بدر محمدی (ویشالی، بہار)
Mob-

رونے کے عوض کھول کے دل اپنا ہنسے تھے — دکھ درد ہمیں سہنا تھا سو ہم نے سہے تھے
چہروں کے پڑھے جانے کی آئی نہ ضرورت — کافی تھا وہی مکتبِ دل میں جو پڑھے تھے
سورج کی طرح ڈوبنا اُگنا تھا کسی کا — ہم شمع کی مانند جلے اور بجھے تھے
وہ اپنے مکاں میں تھا بچھا صورتِ بستر — ہم میل کے پتھر کی طرح رہ میں کھڑے تھے
پڑھنے میں رہے محو انھیں بھیج نہ پایا — ”ہم نے بھی تجھے پیار کے مکتوب لکھے تھے“

مفتاح اعظمی (چاپدانی، ہگلی) Mno.8274818182

وہ لوگ حقیقت میں بہت دل کے جلے تھے — جو لوگ سدا ظلم کے سائے میں پلے تھے
یہ بات الگ ہے کہ نہیں پہنچے ہیں تجھ تک — "ہم نے بھی تجھے پیار کے مکتوب لکھے تھے"
سوئے ہیں تو سونے دو تھکن اوڑھ کے ان کو — وہ لوگ گئی رات بھی بیدار رہے تھے
وہ کرتے بھلا کیسے ضرورت مری پوری — جو لوگ ملے مجھ سے وہ محتاج ملے تھے
وہ لوگ بنے بیٹھے ہیں ظالم ابھی مفتاح — جو لوگ جہالت کے گڑھے ہی میں پڑے تھے

نسرین نکہت راؤرکیلا (اڈیشا) Mob-9668462040

ہم نے بھی تجھے پیار کے مکتوب لکھے تھے — بغض بھی کچھ اور بڑھے مجھ سے گلے تھے
دن رات امیدوں میں ارادوں میں کٹے تھے — ہم اپنے مقدر کی خوشی ڈھونڈ رہے تھے
آداب سے روشن ہیں مقدر کے ستارے — اردو کی کتابوں میں یہ الفاظ پڑھے تھے
وَآداب سے مہکے تھے وراثت کے خزینے — پر غنچے وفاؤں کے سبھی خار بنے تھے
تنہائی کے عالم میں بھی محفل کا سماں تھا — نکہت کی شبِ غم نے وہ اشعار کہے تھے

محمد یونس عاصم کٹک Mob-9090156995

تقلید میں غیروں کی جو ہر وقت چلے تھے — تہذیب سے اپنی وہ جدا ہونے لگے تھے
کیوں ترک تعلق کا کیا ہم نے ارادہ — حالات برے تھے مگر اتنے نہ برے تھے
مشکور ہوں ان کا بھی برے وقت میں میرے — دو بول تسلی کے کبھی مجھ سے کہے تھے
تا عمر کسک ان کی یہ دھڑکن میں رہے گی — جو زخم مجھے میرے رفیقوں نے دئے تھے
عاصم نے ہی نفرت کے وہاں بیج کو بویا — ہم پیار اگانے کی جہاں سوچ رہے تھے

افضل مظفر پوری، سیوان بہار Mob-9955029167

شہرت کی بلندی پہ تو بے خوف کھڑے تھے — ہر موڑ پہ جو آپ مرے ساتھ کھڑے تھے
گر کر بھی پہاڑوں سے کئی لوگ اٹھے ہیں — لیکن وہ اٹھ نہ پائے جو نظروں سے گرے تھے
عشاق کی فہرست میں ہے نام ہمارا — "ہم نے بھی تجھے پیار کے مکتوب لکھے تھے"
تم پاس جو رہتے تھے ہوئی قدر نہ ہم سے — جب دور ہوئے سمجھو کہ ہم مر ہی گئے تھے
چہرا تھا ترا سامنے اے جانِ بہاراں — افضل نے غزل کے کئی اشعار کہے تھے

نظام جلال پوری (مظفر پور۔ بہار Mib-9199874010

لیکن نہ بجھے لوگ بجھانے میں لگے تھے — لاکھوں چراغ تیری محبت میں جلے تھے
وہ لوگ حقیقت میں بہی خواہ تھے میرے — مجھ کو چھڑانے قید سے جو لوگ گئے تھے
یوں قدر بزرگوں کی کرو یا نہ کرو تم — ہر حال میں وہ ہیں بڑے جو لوگ بڑے تھے
اچھا نہ کیا پیار جو ٹھکرایا ہمارا — "ہم نے بھی تجھے پیار کے مکتوب لکھے تھے
رضوی نظام الدین کی اب قدر کرے کون — در گور ہوئے جن کو یہ اوصاف ملے تھے

برہان ادیبؔ
Kesarpur
Cuttack(Odisha)

ہاتھوں میں اگر وقت کے خنجر نہیں ہوتا
وہ موم سا پیکر کبھی پتھر نہیں ہوتا
کچھ دیر یہاں رک کے چلے جائیں گے آگے
ہم خانہ بدوشوں کا کوئی گھر نہیں ہوتا
جس شخص کو حاصل نہیں رحمت کا وسیلہ
وہ شخص مقدر کا سکندر نہیں ہوتا
ڈرتا ہوں رفیقوں کی عنایت سے میں لیکن
مجھ کو کسی دشمن سے کوئی ڈر نہیں ہوتا
مجھ کو بھی ادیبؔ اپنی حقیقت کا پتہ ہے
دو شعر کوئی کہہ کے سخنور نہیں ہوتا

ادب پیما

(ادبی، تہذیبی اور ثقافتی سرگرمیاں)

اڈیشا اردو اکاڈمی کے ذریعہ جلسۂ تقسیمِ انعامات

بھوبنیشور 30 نومبر 2023

طویل مدت کے بعد اڈیشا اردو اکاڈمی کا جلسۂ تقسیمِ انعامات انعقاد پذیر ہوا ہے۔ انعامات کی رقم میں اضافہ کے ساتھ اس بار کل چھ ادیبوں اور شاعروں کو یہ انعامات دیے گئے ہیں۔ ۲۰۲۱ اور ۲۲ە۱۹۰ء کے دوران چھ قلمکاروں کو انعامات دیے گئے تھے۔ اڈیشا ساہتیہ اور سنسکرتی اکاڈمی کے ماتحت اڈیشا اردو اکاڈمی کے ذریعہ جمعرات کے دن دو پہر کے وقت بھنج کلا منڈپ کے وسیع وعریض ہال میں یہ انعامات تقسیم کیے گئے۔ ۲۰۲۱ء سال کے لیے عبدالمتین جامی کو امجد نجمی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ انھیں تین لاکھ روپیوں کا چیک دیا گیا تھا۔ عبدالحفیظ بسمل کو کرامت علی کرامت ایوارڈ سے نوازتے ہیے انھیں دو لاکھ روپیوں کا چیک دیا گیا۔ افضل بیدار کو رشمی کانت راہی کے ایوارڈ سے نوازتے ہوے ایک لاکھ روپیوں کا چیک دیا گیا۔ ۲۰۲۲ء سال کے لیے محمد مطیع اللہ نازش کو امجد نجمی ایوارڈ سے نوازتے ہوے تین لاکھ کا چیک دیا گیا۔ نسرین نکہت کو کرامت علی کرامت ایوارڈ سے نوازتے ہوے تین لاکھ کا چیک دیا گیا۔ شوکت رشیدی کو رشمی کانت راہی ایوارڈ سے نواتے ہوے ایک لاکھ کا چیک دیا گیا۔ ان سبھی انعام یافت گان کو گجرے پہنا کر سپاس نامے اور سند عطا کی گئی۔

۲۰۳ اور ۴۲۰۴ سال کے لیے کل ۸۷ طلبہ وطالبات کو اسکولر شپ دیا گیا۔ ان میں ۴۰ر پلس 2، ۳۰ر پلس 3 اور ۱۶ر ایم اے کے طالبات اور طلبہ تھے۔

اس تقریب میں متعلقہ شعبے کے وزیر شری اسونی کمار پاترا بطور مہمانِ خصوصی شریک تھے۔ انھیں کے دستِ مبار سے انعامات تقسیم کیے گئے اور انھوں نے اپنی تقریر کے دوران سبھی طلبہ اور طالبات کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ یہ بھی کہا کہ تقسیمِ انعامات کا یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا ادبا و شعرا اپنی تخلیقی کاوش جاری رکھیں اور شعر و ادب کے فروغ میں بھر پور حصہ لیں۔ جوائنٹ ڈائریکٹر شری سوبودھ چندراچاریہ نے ادیبوں اور شاعروں کی حوصلہ افزائی کرنے کے ساتھ ساتھ اکاڈی کی بھی بہت تعریف کی۔ اس پروگرام کے آغاز میں اکاڈمی کے سکریٹری سید مشیر عالم صاحب نے استقبالیہ تقریر کی اور صدرِ اکاڈمی جناب خالد رحیم صاحب نے اپنی مختصر سی تقریر میں انعام یافت گان کو مبارک باد دی۔ آخر میں نائب صدر سید نفیس دسنوی صاحب نے اپنی تقریر میں یہ کہا کہ ہماری اکاڈمی کے سکریٹری ڈاکٹر سید مشیر عالم صاحب ایک فعال شخصیت ہیں اور ان کے دور میں اکاڈمی کا ہر پروگرام وقت پر سلسلہ وار ہو رہا ہے جس کے لیے وہ لائقِ مبار باد ہیں۔

☆☆☆

یومِ اردو کے موقع پر ادبی محاذ کے دفتر میں ایک شعری نشست

یوم اردو کے موقع پر دفتر ''ادبی محاذ'' کٹک میں ایک شعری نشست کا انعقاد بروز جمعرات ۹ر نومبر ۲۰۲۳ء کو بعد مغرب کیا گیا، جس کی صدارت جناب سعید رحمانی نے فرمائی، مہمانِ اعزازی کے بطور جناب الحاج شیخ منور احمد حبیبی نے شرکت فرمائی۔ نظامت کے فرائض شوکت رشیدی نے بحسن وخوبی انجام دیے۔ نشست میں شریک شعراء کرام کے اسم گرامی حسبِ ذیل ہیں:

جناب سید نفیس دسنوی، جناب سعید رحمانی، رفیق رضا، شاکر وارثی، عنایت علی عنایت، جیوتی شنکر حیات، ارشد جمیل، صلاح الدین تسکین، شوکت رشیدی، عبدالحق بیتاب، برہان ادیب، محمد مرشد، عبدالحفیظ بسمل، عبدالحنان مضطر اور محمد یونس عاصم۔ لگ بھگ سبھی نے اردو کے تعلق سے اور علامہ اقبال کے خراج میں اشعار کہے اور اپنی اپنی غزلیں سنائیں۔ شعراء کے ساتھ ساتھ سامعین نے بھی داد و تحسین سے نوازا۔ مشاعرے کا اختتام ناظمِ مشاعرہ جناب شوکت رشیدی کے اظہارِ تشکر سے عمل میں آیا۔

غضب کا رنگ ہوتا ہے بیاں میں
کریں جب گفتگو اردو زباں میں

(راقم الحروف یونس عاصم)

☆☆☆